میں کبھی غزل نہ کہتا

سیّد عابد علی عابد

عابد صاحب کا نام سُنتے ہی پنجاب
کی سوُندھی مٹی میں گندھی ہوئی ایک دلآویز
اور باغ و بہار شخصیّت کا تصوّر سامنے آتا
ہے۔ پہلی بار سیّد صاحب کا ساقی نامہ
پڑھا تو اس کا تموّج و ترنّم رگ و پے میں
اُترتا چلا گیا۔ فارسی ادبیات کے طالب علم
کی حیثیت سے مجھے عابد صاحب کے لیکچرز
سُننے کا بھی موقع ملا۔ لیکچر کیا ہوتا تھا
نسیمِ جانفزا کا جھونکا تھا۔ ایک جوُئے
رواں کی مانند اُردو فارسی اور انگریزی کے
جملوں کا بہاؤ دیدنی ہوتا، کلاسیکی فارسی
شاعری کے تانے بانے سنگتراشی، مُصوّری
اور موسیقی سے یوُں ملاتے کہ اجنبیّت کا
احساس نہ ہونے پاتا، دن بھر کی تھکن دُور
ہو جاتی۔ خوُد اُن کی سُخن شناسی تو خیر مُسلّم
تھی، اپنے شاگردوں میں بھی ذوقِ شعر
پیدا کرنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔
اکثر اشعار کی تشریح اشعار ہی میں کرتے اور
اس انداز سے کہ معانی کے اسرار و رمُوز
خود بخود کھُلتے چلے جاتے۔ اُن کی شخصیّت

میں کبھی غزل نہ کہتا

سیّد عابد علی عابد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

۱۹۹۳

نیاز احمد نے
زاھد بشیر پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

تعداد ــــ ایک ہزار
قیمت ۲۱۰/۰۰ روپے

U
851
S16MG

ISBN 969-35-0181-0

مَیں کبھی غزل نہ کہتا مجھے کیا خبر تھی ہمدم
کہ بیانِ غم سے ہوگا غمِ آرزو دوچنداں

پیش لفظ

"میں کبھی غزل نہ کہتا" عابد صاحب کے دو شعری مجموعوں ,شب نگار بنداں، اور ,بریشم عود، پر مشتمل ہے۔ عابد صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے تیسرے مجموعہ کلام "درد تہہ جام" کا مسودہ اشاعت کے لئے کسی کے سپرد کیا تھا میری خواہش تھی کہ یہ بھی دستیاب ہو جائے تو کلیاتِ ,عابد، شائع کروں ، مگر باوجود سعی بسیار کے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مسودہ تو درکنار پبلشر صاحب کا ہی سراغ نہ ملا۔ مجبوراً کتاب کو موجودہ صورت میں شائع کرنا پڑا۔

سید عابد علی عابد کی ادبی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ دو واضح حصوں میں منقسم نظر آتی ہے۔ ایک جب وہ باقاعدہ ملازمت کرتے تھے اور ذوق ادب فقط ان کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرتا تھا۔ اور دوسرا حصہ ملازمت سے فراغت کے بعد جب لکھنا لکھانا گویا عابد صاحب کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ ۱۹۵۴ سے ۱۹۷۱ تک سترہ سال کی مدت میں انہوں نے تراجم کیے، شعر کہے، تنقید کی کتابیں تحریر کیں، ریڈیو کے لئے ڈرامے اور فیچر لکھے۔ غرضیکہ کوئی صنف ادب ایسی نہ تھی جس کی طرف بھرپور توجہ نہ دی۔ عابد صاحب کا پہلا شعری مجموعہ ,شبِ نگار بنداں، تو ۱۹۵۴ کے فوراً بعد شائع ہو گیا تھا اور اس میں شامل نظمیں اور غزلیں پہلے دور کی ہیں مگر دوسرے مجموعے ,بریشم عود، کا کلام زیادہ تر ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو ۱۹۵۴ اور ۱۹۶۷ کے درمیان کہی گئیں۔

عابد صاحب کی شعری تخلیقات کے حوالے سے کچھ باتیں وضاحت طلب ہیں مثلاً ایک تو یہ کہا جاتا ہے کہ عابد صاحب کے ہاں اشکال بہت ہے اور اس سلسلے میں غالب کے مصرے

ء شمار سجہ مرغوب بت مشکل پسند آیا

کی طرح کا ایک آدھ مصرع یا شعر لکھ دیا جاتا ہے۔ میری حقیر رائے میں عابد صاحب کا نمائندہ کلام بیشتر ایسے اشعار پر مشتمل ہے جو بے حد سادہ اور دلنشین ہیں، سادگی اور پرکاری کی جو مثالیں ان کے ہاں ملتی ہیں وہ ان کے ہم عصر شعراء کے ہاں تلاش کرنی اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہیں۔ نمونہ کلام کے طور پر مشہور غزل ملاحظہ فرمایئے:۔

چین پڑتا ہے دل کو آج نہ کل
وہی الجھن گھڑی گھڑی پل پل
یا کبھی عاشقی کا کھیل نہ کھیل
یا اگر مات ہو تو ہاتھ نہ مل
میرا جینا ہے سیج کانٹوں کی
ان کے مرنے کا نام تاج محل
دم رخصت وہ چپ رہے عابد
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

اس غزل اور اس نوع کی بے شمار غزلوں اور نظموں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ عابد صاحب مشکل پسند ہیں قرین انصاف نہیں

عابد صاحب کے اسلوب کے بارے میں ہے کہ کہا جاتا ہے کہ وہ روایت پسند شاعر ہیں یعنی گل و بلبل، شمع و پروانہ، اور اس نوع کی دوسری علامات کو ان کے روایتی معنوں میں استعمال کرتے تھے جیسا کہ ناقدین کے قول کے مطابق متقدمین اور متوسطین کے ہاں بہت تھا۔ لیکن یہ بات بھی مولانا حالی کی صدائے بازگشت ہے ہمارے ہاں انتقاد ادب میں CLICHES, کو اپنانے کا بہت رواج ہے۔ اس میں گل و بلبل کے استعمال کا قصہ ہے۔ اور ہر علاقے میں لطیف جذبات کو استعاروں اور علامتوں میں بیان کرنے کا رواج ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ عابد صاحب کے بارے میں ایک بہت فروعی سی رائے ہوگی۔ وہ ایک ہمہ جہت شاعر ہیں ان کی شاعری کو پڑھ کر آپ کو احساس ہو گا کہ آپ نے شعری ادب کی تاریخ کا مطالعہ کر لیا ہے۔ ان کے ہاں ذکر گل و بلبل ہے، شمع و پروانہ ہے، گداز و سادگی ہے، ایجاز و اختصار ہے، شوخی بیان ہے نئے زمانے کی اصطلاحات ہیں، خالص مقامی ثقافت کا اظہار بھی ہے۔ غرضیکہ عابد صاحب کسی خاص اسلوب کے پابند نہیں اور ان تمام پابندیوں سے آزاد و بے نیاز ہیں اور اپنے انداز بیان کے لحاظ سے ایسے منفرد شاعر ہیں کہ جن کے صحیح مقام کے تعین کے لئے مستقبل کے قاری، مورخ اور نقاد کی آراء کا انتظار کرنا ہو گا۔

سید مینوچہر

لاہور ۵ مئی ۱۹۹۲

شبِ نگار بنداں

پھر بلقیس کے نام، جو بہت مشکل سے اِس بات کی قائل ہُوئی کہ مَیں اچھا شعر کہتا ہُوں۔ معلوم نہیں اُس نے اِس معاملے میں اپنا مسلک کیوں بدلا۔

کیوں کہ ؎

اِس کی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

عابدؔ

میرزا ادیب

پیش لفظ سے پہلے

"شبِ نگار بنداں" زندگی بھر کا شعری سرمایہ ہے ایک ایسے شخص کا جس کا نام آتے ہی ذہن میں ادب کی کئی اصناف کا تصور جاگ اٹھتا ہے۔ عابد صاحب نے اپنے مختلف دوروں میں مختلف اصنافِ ادب میں کچھ اس نوع کی امتیازی خصوصیات کا مظاہرہ کیا ہے کہ صرف ایک صنف سے متعلق ان کی ذہنی تخلیقات کا جائزہ لے کر ان کے بارے میں گفتگو کرنا ان کی ذات اور ادب دونوں پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت ساری دنیائے اردو میں ان جیسا جامع الصفات ادیب اور کوئی بھی نظر نہیں آتا افسانہ نگاری میں انہوں نے انتہائی بلندیوں کو چھو لیا۔ انتقادی ادب میں ان کا نام زندہ رہے گا

اور اب غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو یہ صنف گویا ان کے نام کا ایک جزو لاینفک بن کر رہ گئی ہے۔ یہاں ان کی والہانہ وابستگی ہے اور دوسری خصوصیات ہے حروف کے صوتی نظام میں ان کا فاضلانہ درک دونوں چیزوں نے ان کے ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے خصوصاً نظموں اور غزلوں میں مترنم تراکیب کا استعمال اور صوتی زیر و بم کا ایک خاص شعوری التزام دور تک انہی خصوصیتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ان کا کوئی نثری کارنامہ ہو یا شعری تخلیق ہر چیز اور ہر جگہ ان کی ایک خاص خوبی مجھے بہت نمایاں محسوس ہوئی ہے اور یہ خوبی ہے ہنرمت کاری اپنی ذہنی پیداوار کے ہر جزو کو انہوں نے

اتنی محنت جگر کاوی اور فن کارانہ مہارت کے ساتھ بنایا۔ سنوارا اور نکھارا ہے کہ ہر ایک خدوخال ——— فنی مقتضیات کے اعتبار سے ——— اپنی جگہ مکمل نظر آتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ کسی ادبی کاوش کا مجموعی تاثر صرف اسی صورت مرتب ہو سکتا ہے جبکہ اس کاوش کا ہر جزو اس تاثر سے ہم آہنگ ہو یہاں مجھے ان کی ایک بات کبھی نہ بھولے گی انہوں نے ایک بار اثنائے گفتگو میں کہا تھا "یوں تو ایک ادبی تخلیق وجدانی تحریک ہی کے زیر اثر بروئے کار آتی ہے۔ مگر اس کا نصف حصہ ہماری مشق و مزاولت محنت و شعوری جدوجہد کا حامل ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں اس قول کی صداقت کہ جگر کاوی سے معجزۂ فن کی نمود ہوتی ہے ان کی ہر ادبی کاوش سے ظاہر ہے۔

آج کل ادبی دنیا میں عابدؔ صاحب کی غزل گوئی کا چرچا عام ہے اور کہا جاتا ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد غزل کے جلال و جمال میں سب سے زیادہ جس شاعر نے حصہ لیا ہے وہ عابدؔ کے سوا اور کوئی نہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے نوجوان غزل گو شعراء کی تیزی و تندیٔ شباب کی جن خاص واردات عشقیہ کو موضوع شعر بناتے ہوئے جھجک سی محسوس کرتی ہے ——— وہ واردات اپنے تمام وجدانی و فنی تقاضوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے عابدؔ صاحب کی غزلوں کا سنگھار بنی ہوئی ہے۔ غزل میں ان کی آواز سرزمینِ حافظ و سعدی کے لالہ زاروں سے پھوٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس آواز میں عابدؔ کی اپنی منفرد شخصیت کی گھلاوٹ بھرپور انداز میں موجود ہے ایک مفکر کا فکر افروز لہجہ اور ایک جرأت پسند شخص کا نعرہ بیباکانہ دونوں چیزیں ان کے یہاں گھل مل سی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ عابد صاحب نے اپنی غزلوں میں (خاص طور پر) ان مسائل کے فکری ردِ عمل کو بھی سمیٹ لیا ہے جو موجودہ دور کی معیشی اور مجلسی زندگی کے پس منظر میں پوری شدت کے ساتھ برسرِ عمل ہیں۔

آخر میں ایک خوشگوار حادثے کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس حادثے کا تعلق آج سے کم و بیش بیس سال پہلے کی ایک شام سے ہے مجھے "ہزار داستان" کے کچھ پرچے مل گئے

تھے۔ اس ادبی رسالے کے چیف ایڈیٹر حکیم احمد شجاع صاحب تھے اور غالباً عابدؔ صاحب بھی ادارت میں شامل تھے۔ ان پرچوں میں عابد صاحب کے افسانے پڑھنے کے بعد میرے دل میں پہلی مرتبہ افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا —— اور یوں میرے ذوقِ نثر نگاری کی ادبی راہنمائی عابد صاحب نے کی —— میرے جُرم ادب طرازی کا کچھ نہ کچھ حصہ عابدؔ صاحب پر بھی عاید ہوتا ہے۔ پہلا حادثہ وُہ تھا اور دوسرا حادثہ یہ ہے کہ شاگرد اپنے محترم اُستاد کے شعری اثاثے کے دو صفحے اپنے لیے بھی وقف کر رہا ہے۔

محمود نظامی

پیش لفظ

اسی فروری کی بات ہے پشاور میں ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا اس میں شرکت کے لئے لاہور سے تین ایسے حضرات بھی آ رہے تھے۔ جن سے زندگی میں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے جب اس دن جاڑے کی برفانی صبح کے ابتدائی لمحات میں گاڑی ریلوے اسٹیشن پر رکی اور میں ان بزرگوں کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھا تو ریل کے ڈبے میں مجھے صرف تبسم اور سالک نظر آئے عابد جن کے بارے میں گذشتہ شام کے سات بجے تک کی اطلاع یہ تھی کہ وہ بھی آ رہے ہیں۔ موجود نہ تھے۔ اور پھر تبسم نے میرے استعجاب کو رفع کرنے کے لئے خود ہی مجھے بتلایا کہ عابد اپنی شدید علالت کی وجہ سے سفر نہ کر سکے تھے۔ پشاور کی طرف روانہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اچانک ان پر تھرمبا سس کا ایسا خوفناک حملہ ہوا کہ وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے پہلے تو حالات اور معالجوں کی آراء مایوسی پیدا کرنے لگی تھیں، لیکن پھر نہ جانے کیسے ہوا کہ یک لخت مرض کی ہلاکت آفرینی کے مقابلے میں مریض زیادہ سخت جان نکلا، حالات اور آراء نے پلٹا کھایا اور عابد گویا عالم برزخ کے ایک مختصر سے مشاہدے کے بعد پھر

اس جہان بے ثبات میں لوٹ آئے۔

یہ تیسری مرتبہ تھی کہ تھرمباسس کے ذکر نے مجھے چونکا دیا، تینوں مرتبہ اس کا نام ایسے شفیق بزرگوں کی علالت کے سلسلے میں میرے کانوں تک پہنچا تھا، جن کے قدموں میں میری زندگی کے بہترین لمحات گزرے تھے ان تینوں میں یہی بات مشترک نہ تھی کہ یہ سب میرے استاد تھے۔ یا یہ کہ نظم و نثر دونوں کے اعتبار سے تینوں دنیائے ادب میں اونچے پائے کے صاحب طرز فنکار تسلیم کئے جاتے تھے بلکہ ان میں ایک حیرت انگیز یکسانیت یہ بھی تھی کہ یہ تینوں ایک سے دراز قامت، ایک سے قوی ہیکل اور ایک سے مضبوط و توانا تھے۔ یہ شاید ان کی باہمی وضعداری تھی کہ اگر انہوں نے صحت میں ایک دوسرے کا رنگ اختیار کیا تھا تو علالت میں بھی اپنی مماثلت کو نہ چھوڑا تھا، ۱۹۵۰ء کے نومبر کی آخری رات کا ذکر ہے اس خوفناک رات کا ذکر ہے اس خوفناک مرض نے تاثیر پر حملہ کیا، پلک جھپکتے میں حیات کو خاطر میں نہ لانے والا تاثیر ہنستا بولتا سب کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے یوں اوجھل ہوا گویا ابھی تھا اور ابھی نہیں ہے۔ یہ حادثہ اتنا غیر متوقع اور یوں آناً فاناً واقع ہوا تھا کہ زندگی کو ناقابل اعتماد اور ناپائیدار سمجھے والے بزرگ بھی اپنے سے کچھ مایوس نظر آنے لگے اور پھر ایک دن اسی طرح اچانک یہ خبر لاہور میں ہر طرف دوڑ گئی کہ دس منٹ پہلے چراغ حسن حسرت بھلے چنگے کام کر رہے تھے۔ اور پھر جو دل کے دورے سے نڈھال نیم بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال پہنچے تو بس حیات کی ایک آدھ رمق باقی رہ گئی تھی، سہمی ہوئی ادبی دنیا ایک مرتبہ پھر امید و بیم کی کشمکش میں الجھ گئی اور ابھی اس خوف و ہراس کی شدت کم نہ ہوئی تھی۔ کہ دفعتاً ایک ایمبولینس ایک اور مریض کو ہسپتال لے جانے کے لئے نکلسن روڈ کے اس مکان پر جا تھمی جہاں تبسم اور سالک کی آمد سے پندرہ بیس منٹ پہلے گھر کے ارکان پشاور کے سفر کے لئے عابد کا سامان باندھ رہے تھے۔

چھ ہفتے کے بعد جب میں تبادلے پر پشاور سے لاہور آیا تو میں نے سنا کہ حسرت پہلے کی نسبت بہتر ہیں۔ لیکن عابد کے بارے میں ابھی تشویش باقی تھی اور پھر ایک دن اچانک

میرے دو تین رفقاء کار کچھ مغموم سا منہ بنائے یُوں میرے کمرے میں داخل ہوئے کوئی ایسی خاص بات کہنے کے لئے آئے ہیں جسے زبان پر لانے کا کسی کو یارا نہیں ایک مختصر سے وقفے کے بعد ان میں سے ایک نے کہا آپ جانتے ہیں کہ پروفیسر عابد علی عابدؔ کی صحت ٹھیک ہو چکی تھی لیکن کل اچانک ان کی بیماری نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ اب وثوق سے یہ کہنا قطعی ناممکن ہو گیا ہے کہ وہ اس سے پھر جانبر ہو سکیں گے یا نہیں، میرے لئے ان فقروں کے اصل مفہوم کا سمجھنا مشکل نہ تھا۔

صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ عابد نے ریڈیو اور ادب کی جو طویل خدمات سرانجام دی تھیں، اگر اُن کے اعتراف کا وقت آ ہی گیا تھا تو پھر اس کا اہتمام خود میرے ہی ذمہ ہونا چاہیئے، آخر مجھ سے زیادہ کس شخص نے ان کی فنی قابلیت، علمی دسترس اور ادبی استعداد کا اس قدر فائدہ اٹھایا تھا اور کس دوسرے واحد شخص کی خاطر انہوں نے تعداد اور تنوع میں نظم و نثر کی اتنی وافر چیزیں یُوں لگاتار رکھی تھیں، کہ اپنے طرزِ نگارش اور اسلوبِ تحریر کا کوئی نکتہ اس سے مخفی نہ رہنے دیا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر روایات کا تقاضا یہی ہے کہ عابدؔ کی یاد میں کچھ کہا جائے تو اس فریضے کی ادائیگی کا شرف مجھی کو ملنا چاہیئے مجھے ان کی ریڈیو کے لئے لکھی ہوئی چیزیں ایک نظر دیکھنے کے لئے لا دیجیے۔" اور جب وہ مواد اکٹھا کرنے کے لئے چلے گئے، تو میں سوچنے لگا۔

میں سوچ رہا تھا کہ عابدؔ سے میری پہلی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوئی تھی، اس واقعے کو اتنا عرصہ گذر گیا تھا کہ گذشتہ وقت کی ایک تہ در تہ کہر نے اپنے انجماد سے بیتی ہوئی زندگی کے حالات کو بالکل دھندلا رکھا تھا لیکن پھر یک لخت ماضی کے مٹے مٹے نقوش حافظے کی روشنی میں اُبھر کر اپنی جزئیات سمیت میرے سامنے آ گئے اور تصور کے آئینے میں مجھے وہ شام صاف دکھائی دے گئی جس کے جھٹ پٹے میں زندگی میں پہلی بار مرتبہ پروفیسر عابد علی عابدؔ کے ہاں دھڑکتے دل کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور وہاں سے واپسی پر اپنی ادبی زندگی کے ایک اہم رُخ

کو یوں پلٹ چکا تھا گویا کبھی اس سے آشنا ہی نہ تھا۔

یہ ۱۹۳۰ء کے موسم سرما کی بات ہے، یعنی اس زمانے کا ذکر ہے جب پنجاب میں ادب اردو کی خدمت جزو ایمان تھی، صوبے کے ہر طرف ادبی سرگرمیوں نے شعراء اور ادباء کے دل و دماغ میں عملِ پیہم کی مستقل تحریک پیدا کر رکھی تھی۔ علوم و فنون کی بیش بہا مطبوعات اور شعر و ادب کی قابل قدر تصانیف سے زبانِ اردو کا خزینہ مالا مال ہو رہا تھا، جگہ جگہ عالم و فاضل اور روشن خیال حضرات نے صوبے کے ادبی ذوق کی تربیت کی خاطر ادارے قائم کر رکھے تھے جن میں مشرق و مغرب کی قابلیت کے جامع اُدباء اپنی تحریروں سے نئی تحریکات کا آغاز کر رہے تھے ادھر مغربی اثرات نے نئے اسلوبِ نگارش اور نئی طرزِ تنقید سے ایک نئی قسم کے تنومند ادب کو جنم دیا تھا جس کے سامنے پرانی طرز اور قدیم روش کی عمارتیں منہدم ہونے لگی تھیں یہ ایام ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک کے اس زرّیں دور کا خوش آئند آغاز تھے جس میں چھلانگیں لگا کر ادبِ اردو ترقی کے اس مقام پر جا پہنچا تھا، جہاں وہ آج نظر آتا ہے۔ انہی ایام میں فیضؔ، اختر شیرانی اور راشد فکرِ شعر و سخن کے لئے ایک جدید طرز کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ حفیظ گیتوں کو رواج دینے کے لئے کوشاں تھے، نوجوان شعراء نے بلینک ورس، فری ورس، سانیٹ کے ساتھ ساتھ ہندی اور فارسی بحوروں میں طبع آزمائی شروع کر رکھی تھی، ادھر نثر نگار اظہارِ خیال کے لئے نئے نئے راستے تلاش کر رہے تھے۔ ناول اور افسانے کی افادیت کے لئے مضامین اور کرداروں کے تجزیہ نفس کے لئے جدید طرزِ نگارش کی کوششیں ہو رہی تھیں، علمی اور فنی مضامین کے پہلو بہ پہلو مزاح اور ادبِ لطیف کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ نقد و نظر کے نئے معیار نئے پیمانے وضع کئے جا رہے تھے حد یہ ہے کہ خود ہمارے شعر کا وہ عالی مرتبت خزینہ جس نے "بال جبریل" اور "ضربِ کلیم" کے عنوان سے چند برس بعد شائع ہو کر اردو شاعری میں اپنے ابدی اثرات سے ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا تھا انہی ایام میں سینۂ شاعر سے صفحۂ کاغذ پر منتقل ہو رہا تھا۔

اس دَور میں گو بساطِ ادب ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی جو اپنے طریقۂ کار کے اختلاف کے باوجود اپنے مطمعِ نظر کے اعتبار سے سب ایک ہی سلسلے میں پیوستہ تھیں لیکن کہیں کہیں ایک آدھ ایسا خاموش کارکن بھی نظر آجاتا تھا جو اپنے لیے جماعتی جنبہ داریوں سے بچ کر ایک علیٰحدہ گوشے میں تنِ تنہا کام کرنے کو زیادہ موزوں خیال کرتا تھا۔ پروفیسر عابد علی عابدؔ ایسے ہی خال خال لوگوں میں سے تھے۔ جو کسی مخصوص یا معروف جماعت میں منسلک ہونے کی بجائے الگ تھلگ بیٹھ کر کام کرنے کے قائل تھے، میں اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں بی۔ اے میں پڑھتا تھا جہاں بزمِ فروغ اردو نے ڈاکٹر تاثیرؔ مرحوم کی صدارت میں ایک بہت مفید ادبی کام کی طرح ڈال رکھی تھی میں بھی اپنے تکمیل ذوق اور حصول علم کے لیے اس بزم کا رکن تھا۔ لیکن میری طبع کی ایک افتاد ایسی تھی کہ اس کی رہنمائی کے لیے مجھے تاثیرؔ جیسے سخت گیر اتالیق کی بجائے کسی نرم رَو استاد کے مشورے کی ضرورت تھی۔ جالندھر کی ادب پرور اور شاعر خیز سرزمین سے نسبت رکھنے کی وجہ سے سکول کے زمانے ہی سے شعر کہتا تھا۔ لیکن خامیوں میں ہمیشہ پختہ ہو جانے سے پہلے میں چاہتا تھا کہ میں اپنا کلام اصلاح اور مشورے کی غرض سے کسی کہنہ مشق شاعر کو دکھاؤں میں نے جب اس نیت سے اطراف میں نظر دوڑائی تو مجھے عجیب منظر دکھائی دیا۔ اس زمانے میں نئے جدّت طراز شعراء کے علاوہ عام طور پر اقبال کی تقلید ہر شاعر کے لیے ایک ضروری موضوعِ سخن بن گئی تھی اور اکثر شاعر اخلاق و موعظت کے لیے بڑی بڑی نظمیں لکھنا اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے تھے، اِدھر نئی تحریکات نے جو افراط و تفریط پیدا کر دی تھی اس کے باعث جواں سال شعراء کے افکار، عشق و محبت پر خشک تقاریر اور جواب مضمونوں کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی غزل اب تک محض نقالی اور کورانہ تقلید کا ایک بے کیف نمونہ تھی۔

اس زمانے میں عابدؔ کا کلام ادبی رسائل و جرائد میں آج کی نسبت کہیں زیادہ

دیکھنے میں آتا تھا، قدرتی طور پر میری نظر ان کی طرف گئی عابدؔ نے اس زمانے میں گجرات کی عشق پرور زمین اور چناب کے جنوں خیز پانیوں کے متعلق کچھ نظمیں لکھی تھیں: جن میں مقامی رنگ اس شدت سے تھا کہ ان کی کہی ہوئی بات اپنے اندازِ بیاں کی وجہ سے پڑھنے والوں کے لئے بالکل نئی چیز بن گئی تھی۔ گو فطرت کی عکاسی کوئی ایسی چیز نہ تھی، جس پر عابدؔ ہی نے پہلی مرتبہ قلم اٹھایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک عابد کو جو بات دوسرے شاعروں سے اس بات میں ممیز کرتی تھی، یہ تھی کہ وہ بڑے شہروں کے ہنگاموں سے دور رہنے کی وجہ سے مظاہرِ فطرت کا ایسا مشاہدہ کر چکے تھے جن کی حقیقی قربت سے ہمارے اکثر شاعر بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے عابدؔ کی فطرت پرستی ایک فطری شے تھی۔ جس نے ان کے بیان میں حد درجہ خلوص اور بے ساختگی پیدا کر دی تھی۔

ان نظموں نے مجھے اُن کی دوسری نظموں کی طرف متوجہ کیا، اور میں نے دیکھا کہ ان کے کلام میں ایک ایسی سادگی اسلوب، سلاستِ بیان، سنجیدگی خیال اور پاکیزگی جذبات موجود ہے جس نے اس کو ایک علیحدہ رنگ دے دیا ہے اور اب مجھے ان کی غزلیات کی تلاش ہوئی۔ جب جرائد و رسائل سے یہ بھی دستیاب ہو گئیں۔ تو ان کے مطالعے سے میں نے محسوس کیا کہ گو غزل میں عابدؔ پر غالبؔ اور مومنؔ کا بہت اثر نظر آتا ہے۔ اور اساتذہ اردو سے شغف رکھنے کی وجہ سے اُنہوں نے اپنی غزل میں پرانے قاعدے کے مطابق تمام مروجہ مضامین کو باندھا ہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے قدیم طرز سے علیٰحدگی، عام سطح سے بلندی اور رسمی انداز سے آزادی اختیار کرنے کے لئے یہاں بھی اپنا انفرادی رنگ قائم رکھا ہے، غزل میں عابدؔ کی یہ ادا مجھے بہت پسند آئی۔ ہر زندہ شاعر اپنے پرانے اصولوں کو توڑ کر اپنے لئے نئے اسلوب وضع کرتا ہے۔ لیکن وہ شاعر اس سے بھی زیادہ جاندار ہے جو اپنے اظہارِ خیال کے لئے پرانی بندشوں کے اندر رہ کر اپنے تخیل کی حرکت کے لئے نئے راستے اور فکر کی ترجمانی کے لئے نئے زاویے تلاش کرے۔ شاید عابدؔ کی یہ ادا میرے

لئے باعث کشش تھی کہ میں عابد ہی کی طرح روایت پرست نہیں روایت پسند واقع ہوا ہوں ۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میں اصلاحِ کلام کے لئے عابدؔ سے مشورہ کروں گا اور میں اپنی ایک تازہ غزل کاغذ پر خوشخط لکھ کر شام کے وقت عابدؔ کے ہاں پہنچا عابدؔ اپنی نشست کے کمرے میں بیٹھے تنہائی میں کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ آس پاس رسائل و اخبارات کا انبار سا لگا ہوا تھا۔ اور میز پر کرسیوں پر حتیٰ کہ فرش پر بھی کتابیں یوں بکھری پڑی تھیں گویا کسی نے انہیں اٹھا کر پٹک دیا تھا اس پر مستزاد یہ کہ ایک خوفناک سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ جس میں حقّے کی گڑگڑاہٹ مہیب آوازیں پیدا کر رہی تھی۔ کمرے کی کم روشنی، سامان کی بے ترتیبی، فضا کا سکوت، اور حقّے کی گڑگڑاہٹ ان سب نے مل کر میرے حواس پر ایک ہراس آگیں اثر کیا، جس کے باعث میں کھل کر عابدؔ سے یہ نہ کہہ سکا کہ کیسا اشتیاق اور کیسی عقیدت مجھے ان تک کھینچ کر لائی تھی، بہر حال جیسے ہی میں حرفِ مطلب زبان پر لایا انہوں نے کاغذ کا پرزہ میرے ہاتھ سے لیا، غزل کو ادھر اُدھر سے دیکھا اور پھر مجھ سے کہا " پرسوں چھٹی ہے آپ صبح آجایئے جو کچھ مجھے بیان کرنا ہے میں آپ سے کہہ دوں گا اس کے ساتھ ہی حقّے کی گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز کمرے میں گونجی۔ اور عابدؔ اس کے دھوئیں کے کثیف بادلوں میں کہیں گم ہو گئے ۔

یوم مقررہ پر میں عابدؔ کے ہاں پہنچا وہ باہر برآمدے میں دھوپ کھا رہے تھے وہی حقہ پاس رکھا تھا۔ جس نے پہلے دن مجھے ان کے ہاں سے فرار کی ترغیب دی تھی اور سامنے طالب علم قسم کے ایک نوعمر بزرگوار بیٹھے تھے، جن سے کسی ادبی پرچے کے محاسن و معائب پر بحث چل رہی تھی مجھے دیکھتے ہی بولے حضرت اپنی غزل اندر سے فلاں کتاب پر سے اٹھا لایئے میں نے رات اسے دیکھ لیا " میں اندر سے کاغذ کا پرزہ لے کر باہر آیا تو عابدؔ نے

کہا "پڑھیئے ذرا"، میں نے مطلع پڑھا بولے "کہ اگر کوئی معنی لکھتے وقت آپ نے ذہن میں تھے تو وہ بتلا دیجئے۔ ان اشعار میں تو الفاظ کے سوا کچھ نہیں" میں نے معنی بتائے کہا "یہ معنی آپ کے ذہن میں تو ہونگے، آپ کے شعر میں ان کا شائبہ تک نہیں، آگے چلئے" میں نے دوسرا شعر پڑھا، کہنے لگے شعر کے مصرعے دو لخت ہیں، آپس میں لگّا نہیں کھاتے، تیسرا شعر پڑھا اور بولے اس میں زبان اور محاورے کی دو فاش غلطیاں ہیں، آگے،" میں نے چوتھا شعر پڑھا لیکن اب میں اپنے کلام کی کمزوری پر کچھ ایسی خفّت محسوس کر رہا تھا کہ میں اس کے بارے میں عابدؔ کی رائے معلوم کرنے کیلئے رُکنے کی بجائے سیدھا پانچویں شعر پر پہنچا اور پھر میں نے جلدی جلدی باقی شعر سنائے اور پھر باقی اشعار اور آخر میں مقطع پڑھنے کے بعد میں نے نظریں کاغذ سے اٹھا کر عابدؔ کے چہرے پر ڈالیں انہوں نے حُقّے کی نے اپنی طرف کھینچی، منہال کو ہاتھ میں لیا۔ مٹی کے ڈھلنے پر ہونٹ جما کر ایک کش لگایا اور حقّے کی گڑگڑاہٹ ہتھوڑے کی طرح میرے دماغ پر برس گئی، پھر دھوئیں کو فضا میں اڑاتے ہوئے بولے،

"میاں صاحبزادے اگر شاعری لطافتِ جذبات کے اظہار ہی کا نام ہے اور اس اظہار کی جدّت ہی وہ معیار ہے، جو ایک شاعر کو متشاعر سے ممیّز کرتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں آپ کو اتنی طویل مشق کی ضرورت ہوگی۔ کہ اس فنِ شریفہ پر وقت ضائع کرنے کا آپ کو میں کبھی مشورہ نہیں دے سکتا، زیادہ اچھا ہوگا کہ آپ نثر کی طرف توجہ دیں، یُوں آپ کہیں تو میں آپکو ساری غزل پھر سے لکھ کر دے سکتا ہوں مگر یہ طریقِ اصلاح مجھے قبول نہیں، نہ آپ کو اپنے لئے قبول کرنا چاہیئے، اور میں نے خفت کے عالم میں اُن صاحب پر اچٹتی ہوئی نظر دوڑائی جو عابدؔ کے سامنے بیٹھے تھے اور جن سے عابدؔ نے بعد میں میرا تعارف قیومؔ نظر کہہ کر کرایا۔ میں نے دیکھا یہ حضرت بڑے اطمینان اور فاتحانہ انداز سے یوں زیرِ لب مسکرا رہے تھے، گویا عابدؔ کا مشورہ اگر ان ہی کا مرہونِ منت نہیں تو اس میں برابر کے شریک ضرور ہیں۔

قیومؔ نظر کے سامنے میرے ادبی وقار کو جو ٹھیس لگی شاید اس کا احساس تھا یا یہ خیال

کہ جس واحد شخص سے میں نے اپنے شعری ذوق کی تربیت کے لیے درخواست کی تھی،
جب اسی نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تو کس برتے پر تتا پانی کہیں بجھے ہوئے
دل کے ساتھ گھر آیا، اپنی غزلیات اور نظموں کا پلندہ نکالا، ان پر حسرت سے ایک آخری نظر
ڈالی اور پھر انہیں نذرِ آتش کر دیا۔ وہ دن جاتا ہے اور آج کا دن میں نے پھر کبھی ایک مصرع
تک موزوں کرنے کے لئے طبیعت پر زور نہیں دیا۔ اور یوں شعر گوئی میری ادبی زندگی سے
ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

یہ عابد سے میری پہلی ملاقات تھی اور میں اس کے دور رس نتائج پر غور کر ہی رہا تھا
کہ ساتھی عابد کی تصنیفات کی نقول اٹھوا کر میرے کمرے میں آ گئے۔ یہ کوئی ستر مسودے
تھے جن کا پشتارہ انہوں نے تین جگہ تقسیم کر رکھا تھا۔ اور جب وہ انہیں میرے پاس
چھوڑ کر چلے گئے اور میں نے انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ عابد
کے پاس اتنا وافر وقت کہاں سے آ گیا تھا کہ وہ اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود ریڈیو کے لئے
اتنی چیزیں لکھ سکے اور پھر انہیں کو دیکھتے ہوئے پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہوا کہ ان کی
تحریروں کے موضوعات کس قدر مختلف النوع اور ان کی دلچسپیوں کے عنوان کتنے گوناگوں تھے
ادبی تنقید سے لے کر سراغ رسانی کے افسانوں تک وہ ہر قسم کے مضامین پر قلم اٹھا چکے تھے
اور اس تضاد کے درمیان انہوں نے ریڈیو کی کم و بیش دس مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی تھی
ریڈیو پر ستر" اسی" مسودے وہی شخص پیش کر سکتا ہے، جس کی تحریر کے لیے سامعین میں اس
قدر مانگ ہو، اور یہ مانگ کیوں تھی محض عابد کی اس مخصوص طرز نگارش کی وجہ سے جو ریڈیائی
ادب میں ایک بالکل نئی چیز تھی۔ اور طرزِ نگارش کی تخصیص کیا تھی؟ حقیقی جذبات، سادہ بیانی
اور منطقی اختصار کے ساتھ صحیح الفاظ کے ترنم کی آمیزش جس سے تخیلی تصویریں بے جان نقوش
معلوم نہ ہوں بلکہ جیتے جاگتے اور ہنستے بولتے کردار بن جائیں۔ عابد کے مسودات کو دیکھتے ہوئے
میں نے اندازہ لگایا کہ عابد کی ریڈیائی تحریریں درحقیقت اس وجہ سے بہت کامیاب ہوئیں

کہ وہ ایک ایسے کہنہ مشق شاعر تھے جو صحیح الفاظ کے انتخاب اور ان کے مناسب استعمال پر ہمیشہ بہت اہتمام کرتے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنی اکثر ریڈیائی تحریروں پر اتنی ہی محنت کی ہے جتنی اپنی بعض بہترین غزلوں پر۔

مسودات کے مطالعہ پر مزید چوبیس ۲۴ گھنٹے گذر گئے اور ایسے عالم میں کہ میں ابھی اپنے ذہن میں مطلوبہ مضمون کے لئے خاکہ تیار ہی کر رہا تھا۔ کہ میرے کمرے میں پھر میرے رفقاء کار داخل ہوئے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مگر ان میں سے ایک نے پھر مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اور میری اذیت کو ختم کرنے کے لئے آہستہ سے کہا "پروفیسر صاحب نے اپنی سخت جانی سے ایک دفعہ پھر مرض کو شکست دے دی ہے" مجھے یوں محسوس ہوا گویا میں نے ہمالیہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ اور وہ وہاں سے سرک گیا ہے۔

اور پھر ہفتہ دس دن کی بات ہے اچانک رات کو ایک ٹیلیفون آیا میں نے اٹھایا تو عابد تھے۔ کہنے لگے "مرنے سے پہلے میں نے اپنے کلام کو خود اس خیال سے یکجا کر دیا ہے کہ تم ایسے شاگرد استاد کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کر دیں۔ پبلشر مقدمہ کا تقاضا کر رہا ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ مقدمہ تم لکھو گے" اس مشورے پر میں بھونچکا سا رہ گیا اور میں نے حد درجہ بے اعتباری کے عالم میں پوچھا "پروفیسر صاحب کچھ خبر ہے آپ کس سے بات کر رہے ہیں۔ میں محمود نظامی بول رہا ہوں۔ انہوں نے کہا "ہاں میں جانتا ہوں، میں کس سے خطاب کر رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ کیا مطالبہ کر رہا ہوں، پبلشر نے صرف مقدمے کو کہا تھا، لیکن یہ میری خوشی ہے کہ یہ مقدمہ تم لکھو محمود تمہاری بات سے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ میرے دل کی یہ خواہش پوری ہو" ــــــ اس اندازِ گفتگو نے صرف ایک لفظ جواب کے لئے میرے حافظے میں باقی رہنے دیا۔ اور جب میں نے بہتر کہہ کر ٹیلیفون بند کیا تو یک لخت مجھے یوں محسوس ہوا گویا ہمالیہ پھر میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا ہے۔

رات کی خاموشی اور سکون میں جب خیالات کی دنیا بیدار ہوئی تو سب سے پہلا

احساس جو کوڑے کی طرح میرے دماغ پر برسا ملامت کا تھا. اس حقیقت کے اعتراف پر مجھے خجالت محسوس ہو رہی تھی کہ مقدمے کے سلسلے میں اپنا نام سُن کر عابد کے سامنے میں نے اچنبھے کا جو اظہار کیا تھا، وہ دراصل لکھنے پڑھنے سے عاری طبیعت کا محض ایک بہانہ تھا جو اس نے صورتِ حال سے فرار کی خاطر تراشا تھا، ورنہ یہ بات تو عین عابد کی طبیعت کے مطابق تھی کہ ایک ایسے شخص کو جس کی ادبی دنیا میں کوئی حیثیت نہ تھی، اس ارادے سے ایک اہم ادبی کام کے لیے چُنا جائے کہ اس سے شاید اسے ادبی کام کی پھر سے ترغیب ہو سکے اس میں ادیب اور غیر ادیب کا سوال سرے ہی سے خارج از بحث تھا، مگر میں شاید چند ساعتوں کے لیے یہ بات غیر شعوری طور پر نظر انداز کر گیا تھا کہ ادب کے معاملے میں عابد نے کبھی کسی کی بزرگی یا خوردی کو اپنی رائے پر اثر انداز ہونے نہ دیا تھا، متقدمین یا معاصرین سے اثر پذیر ہونا تو ایک عام بات ہے لیکن میں نے عابد کی انفرادی طبیعت کا یہ جوہر خاص بھی دیکھا ہے کہ اگر انہیں اپنے متبعین اور شاگردوں ہی کی کوئی بات پسند آگئی ہے تو انہوں نے اعترافِ حُسن میں اس سے بھی اثر لیا ہے، عابد کی مجالس میں بیٹھنے والے حضرات کے نزدیک یہ بات کبھی تعجب کا موجب نہیں بن سکی کہ اگر شاگرد کی غزل کا کوئی شعر عابد کو چونکا گیا ہے تو انہوں نے اسی کی زمین میں خود غزل کہی ہے اور پھر سب سے پہلے اسی شاگرد کو لطف لے لے کر خود سنائی ہے۔

عابد کی مجالس کا خیال آتے ہی دھیان کی لہریں تصور کو بہا کر کہیں سے کہیں لے گئیں۔ اور میں ایک دفعہ پھر اُسی بھولی بسری دُنیا میں جا پہنچا جس کی رنگینی اور حرارت میرے استادوں کے دم قدم اور بزم آرائیوں سے تھی اور میری نظر میں وہ دلکش اور دلفریب صحبتیں گھومنے لگیں جو برسوں پہلے اچھے ہوسمے بھی تاثیر، عابد، حسرت اور تبسم کے مکانوں پر شام کو جما کرتیں اور جن میں تربیت ذوق اور اکتساب علم کے لیے لاہور کے کالجوں کے اساتذہ نوجوان ادیب و شعراء اور ادب پسند طلبہ بے تکلف دوستوں کی طرح بڑی رغبت سے جمع ہوتے گفت و شنید،

نقد و نظر اور بحث و تمحیص کا ہنگامہ برپا ہوتا، استاد اور شاگرد بے تکلفی سے علمی اور ادبی تحریکات سے لے کر جنسی نظریات تک ہر موضوع اور مسئلے پر نہایت دلچسپی کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے اور اس جرح و قدح اور بے تکلفی میں اساتذہ اور طلبہ اپنے اپنے منصب اور اپنی اپنی حیثیت کو یوں برقرار رکھتے۔ کہ غُل غپاڑے۔ شور و شغب، قہقہے اور گپ کے باوجود ان صحبتوں کی افادی غایت کو ایک ساعت کے لئے صدمہ نہ پہنچ سکتا۔ اور پھر میں سوچنے لگا کہ وہ وقت بھی کیا تھا جب ان مخصوص مجالس اور صحبتوں نے لکھے پڑھے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کو کسی خاص اہتمام کے بغیر کچھ یوں ادب کی لذت سے شناسا اور علم کے فیض سے بہرہ ور کر دیا تھا، کہ ملک میں خود بخود وابستگانِ ادب کی ایک ایسی جواں سال جماعت وجود میں آگئی تھی۔ جو خود شاعر یا ادیب نہ ہونے کے باوجود اپنے صحیح مذاقِ سخن اور نفیس ذوقِ ادب کی وجہ سے اُس عہد کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کی روحِ رواں تھی۔ اور مجھے خیال آیا کہ ان صحبتوں کے ختم ہو جانے سے ہمارے ادب کو کس قدر نقصان پہنچا ہے اور ادب نواز اور ادب پسند نوجوانوں کو اتنی بڑی جمعیت آج کس طرح اس بنیادی تربیت سے یکسر محروم ہو گئی ہے جس کی تکمیل ہی سے ذہنوں اور ذہنیتوں کو وہ جلا ملتا تھا جو الٹی سیدھی کتابوں کے مطالعے اور قہوہ خانوں کی سیر سے میسّر نہیں آسکتا۔ میں سوچنے لگا کہ آج ہماری ادبی مجالس اور مشاعروں میں ہڑبونگ کے جو افسوسناک مظاہرے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، کیا ان کی ایک وجہ یہ نہیں کہ ان مجالس اور مشاعروں میں شریک ہونے والے نوجوانوں کی ایک بھاری اکثریت اس تمدّن کے اصل پس منظر اور حقیقی ماحول سے بڑی حد تک بے گانہ ہے، جس کے اثر نے ہمارے اصنافِ ادب کی طرح رکھی تھی اور جس کی روایات کی جملہ جزئیات کی وضاحت کے لئے آج کی نئی پود کو کوئی تاثیرؔ۔ کوئی عابدؔ، کوئی حسرتؔ، کوئی تبسم میسر نہیں۔ آخر واعظ و محتسب، دشنہ و خنجر، برقِ نشیمن کی تلمیحات کو نہ سمجھنے والے ان اشعار کو کس طرح اور کیونکر سمجھیں۔ جن میں اظہارِ خیال

کے لئے ان الفاظ سے سہارا لیا گیا ہو؟ اور اگر ان اشعار کے معنی کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے آمادۂ فساد ہوں تو قصور وار کسے ٹھہرایا جاتے ؟

اور پھر ان صحبتوں کی افادیت پر غور کرتے ہوتے خود مجھے پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ اگر میں نے شاعر عابدؔ، ادیب عابدؔ، فنکار عابدؔ، معلم عابدؔ، مجلسی عابدؔ غرضیکہ پروفیسر عابد علی عابدؔ کے جملہ مظاہر کو ان کی تمام تر قابلیتوں سمیت کبھی یک جا دیکھا ہے۔ تو ان صحبتوں میں جو مجھے ان کے گھر میں میسر آئی ہیں، یہیں میں نے ان کی طبیعت کی اس ولولہ خیزی اور ہنگامہ پروری کا مشاہدہ کیا ہے، جس نے خود مجھ میں زندہ رہنے کی تڑپ اور زندگی کی مٹتی ہوئی حرارت کو برقرار رکھنے کی اُمنگ پیدا کی ہے اور پھر یہیں میں نے عابدؔ کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کو ایسی حسین کیفیت میں پایا ہے کہ کبھی تو ان کے تصادم سے خود میری اپنی صلاحیتیں چمک اٹھی ہیں اور کبھی ان کے مشاہدے سے مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے گویا عابد اپنے ڈرائنگ روم میں نہیں بلکہ ایک تخیلی کمرے میں بیٹھے ہیں، جس کے دروازے کئی اور ایسے ملحقہ کمروں میں کھلتے ہیں، جن کی پیشانی پر اصنافِ ادب کے جملہ نشان آویزاں ہیں اور میں عابدؔ کی معیت میں ان کمروں کی دید کا لطف اٹھاتے چلا جا رہا ہوں۔ اور یہ سیر ختم نہیں ہو رہی، بلکہ اُسے ختم کرنے کو جی نہیں مانتا۔

اور پھر میں سوچنے لگا کہ جہاں آج کے مالی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے پریشان حال اور پر آشوب زمانے میں ہمیں پناہ اور فرار کے لئے ان صحبتوں کی اس قدر ضرورت تھی وہاں آج ہی وہ ہمیں کیوں میسّر نہیں آ رہیں۔ جب اس سوال کے جواب کے لئے میں نے حالات کا جائزہ لیا تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ صورتِ حال کی ذمہ داری کسی حد تک زمانے ہی کی ابتری پر ہے، لیکن فی الحقیقت اس کی وجہ ہے کہ اب ہم سے وہ لوگ اٹھ گئے ہیں، جو محض مشرق و مغرب کی قابلیتوں کے جامع ہی نہیں تھے بلکہ اپنی شخصیتوں کی وجہ سے ان صحبتوں میں بات کرنے کا وہ شعور اور سلیقہ بھی رکھتے تھے۔ جن سے ان کا افادی رنگ دوسرے

ہر پہلو پر غالب آجاتا تھا، غالباً یہی وجہ ہے کہ گو آج بھی لاہور میں ایسے متعدد اکابرین فن اور ارباب ادب موجود ہیں، جن کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ شہر بدستور علم و ثقافت کا مرکز ہے، لیکن اس میں اب کاروبار ادب کی وہ پہلی سی رونق جاتی رہی ہے جسے اس شہر میں بسنے والے ان چند ادیب ساز اور شاعر گر استادوں نے اپنے ذاتی کمالات سے پیدا کیا تھا، جن میں عابد ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

اور شخصیت کا خیال آتے ہی میرا دھیان اس شخص کی طرف گیا جسے ہم سب عابد کے تخلص سے جانتے ہیں اور میں سوچنے لگا کہ آخر اس شخص میں کیا بات تھی جو ہم سب کو کھینچ کر اس کے ہاں پہنچاتی تھی، اس کا علم و فضل؟ تو پھر ان دوسرے ارباب فضیلت کے ہاں ہم کبھی کیوں نہیں گئے۔ جو اسی شہر میں پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں اس کی ادبی وجاہت تو پھر ان جیسیوں ادبا اور شعرا میں کیا کمی ہے جن کا کلام اور جن کی تحریریں ہم نے بارہا لطف لے کر پڑھی ہیں، لیکن جن سے ملنے کی تحریک دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی، اس کی مجلس آرائی؟ مگر مجلسیں تو سادھوں کے "تکیوں" میں بھی لگتی ہیں اس کی مہمان نوازی؟ تو پھر لاہور کے ان قہوہ خانوں میں کیا قباحت ہے جہاں ادبی گپ سننے کے لیے لوگوں کے کان اور جیبیں ہر وقت حاضر رہتی ہیں تو پھر عابد کی شخصیت کا کونسا ایسا رخ تھا جس نے ادیبوں کی ایک پوری جماعت کو اس کا ایسا گرویدہ بنا رکھا تھا کہ وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اس سے متاثر رہتے تھے؟ عابد کی شخصیت کو ایک مرتبہ پھر ٹٹولنے کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید یہ اس کے ذہن اور دل کا صد درجہ مشرقی ماحول اور اقدار سے اس کی والہانہ وابستگی تھی، جس نے دماغ و دل اور روح میں وہ باتیں لاجمع کی تھیں، جن کی موجودگی سے ہمارے ہاں شخصیتیں پرکشش بنا کرتی ہیں، اور پھر جوں جوں میں نے غور کیا، مجھے معلوم ہوا کہ اس کی فضیلت اس کی طرز فکر و نگارش، اس کے مذاق شعر و سخن، اس کی مجلس آرائی، خوش گفتاری، بذلہ سنجی، دوست نوازی ہر چیز پر یہی مشرقی اقدار بدرجہ اتم چھائی ہوئی تھیں، جنہیں سامنے رکھ کر ہی ہم اس کی صحیح

شخصیت اور اس کے کام کی اصل نوعیت کو سمجھ سکتے۔ اگر اپنی وسیع ادبی دسترس کے باوجود عابدؔ کوئی ایسا انقلابی شاعر نہیں بن سکا۔ جو ہماری شاعری کی قدیم روایات کو غیر ملکی شاعری کی بدیشی روایات سے تہ و بالا کرنے کا عزم کرتا تو کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خالصتاً ایسا مشرقی شاعر ہے جس کی ادبی روایات کسی فردِ واحد کی شخصی تجویز کا شاخسانہ نہیں بلکہ ایسی طبیعتوں کے اسلوبِ کار اور طرزِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ جو صدیوں سے ایک مخصوص تمدن کے انفرادی ماحول میں پلتی اور پروان چڑھتی رہی ہیں؟ چنانچہ گو عابدؔ کے فنی ادراک اور ادبی استعداد کو مغربی افکار کے طویل مطالعہ نے بہت متاثر کیا۔ لیکن اس کے مذاقِ شعر کو سنوارنے کا کام اس کلاسیکی ادب نے کیا ہے۔ جو رودکی سے لے کر اقبال تک کی تصنیفات کی صورت میں اسے اپنے ادبی ورثے میں ملا ہے یہی وجہ ہے کہ پر گو اور مشاق اور بالغ نظر شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی طبیعت کا زور ہمیشہ غزل کی شاعری میں دکھایا ہے، اور پھر جب مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ عابدؔ کی غزل ایک ایسی خاص طبیعت ایک ایسے خاص قلب کے عشق کی ترجمانی کرتی ہے جس کے جذبات انہیں مشرقی قدروں سے بہرہ ور ہیں جو ہم ایشیائیوں کی فطرت کا خاصا ہیں تو یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ کیوں اور کس طرح اس کا کلام مجھے ہمیشہ ایک ایسا نتھرا ہوا چشمہ نظر آیا ہے جس میں میں نے ہمیشہ اپنا ہی چہرہ دیکھا ہے، اور اپنی ہی قلبی کیفیات کو عکس پذیر پایا ہے۔

انہیں خیالات میں وہ رات گزر گئی، اور پھر دوسرا دن بھی دفتری جھمیلوں کی نذر ہو گیا تیسرے دن ایسے عالم میں کہ میں دفتر سے گھر کی طرف روانہ ہونے کے لئے پر تول رہا تھا، پبلشر نے مقدمے کی یاد دہانی کے لئے ٹیلیفون پر پکڑ لیا کہنے لگے کاتب کہیں جا رہا ہے۔ مسودہ لایئے اور کل شام تک لا دیجئے۔ میں شاید معذرت کے اس میعاد کو بڑھوا لیتا، لیکن اس مطالبے نے میری خود نمائی اور خود پسندی کو ایسی رشوت دی کہ میں نے اسے قبول کر لیا، دل کہہ رہا تھا کہ پبلشر نے تمہیں اگر ایک زود نویس ادیب اور مشاق مصنف سمجھ لیا ہے تو اس خوش فہمی سے تمہارا کیا بگڑتا ہے، تم آئندہ چوبیس ۲۴ گھنٹے کے لئے ادیب اور مصنف بن جاؤ۔

ہیں نے قلم نکالا، کاغذ کا تختہ کھینچا اور لکھنے کے لیے طبیعت کو آمادہ کرنے لگا لیکن پھر یک لخت خیالات کی دنیا گویا جاگ اٹھی اور میرا دھیان اُس روشِ عام کی طرف چلا گیا، جو اب ہماری شاعری کی کتابوں کے دیباچوں اور مقدموں کے لیے مخصوص ہو چکی ہے مجھے دکھائی دینے لگا کہ اب ہمارے ہاں شاعر کے کلام پر دیباچہ لکھنے کا عام طریق یہی رہ گیا ہے کہ شاعری کی کچھ مشرقی اصطلاحات اور مغربی اربابِ ادب کے چند آرا و افکار کا ذکر کرنے کے بعد زیرِ نظر کلام کے نمونے دکھا کر چلتے کردار اور شخصیت کے فرق کو جانے بغیر شاعر کا مفروضہ تجزیہ نفسی بھی کر دیا جائے اور پھر آخر میں تفریظی کلمات لکھ کر جان چھڑالی جائے۔ دراصل جس دن بجنوری نے غالب کو مغربی ساتذہ کے ہم پہلو دکھانے کے لیے اسے اس کے ہم وطن شعرا سے ہٹا کر ایک نئے انداز نقد کی طرح ڈالی تھی، اسی دن ہمارے لئے یہ لازم آگیا تھا کہ ہم اپنے ہر شاعر، اپنی ہر ادبی تصنیف کو جانچنے کے لیے ایک خاص مقرر کئے ہوئے اصول ایک خاص تجویز کئے ہوئے طریق سے دیکھیں، اور یوں دیسی جنس کو بدیشی معیار پر پورا اتارنے کے ساتھ ساتھ بجنوری ہی کے اتباع میں جس نے اپنے محاکمے میں چھوٹتے ہی کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، مقدس وید اور دیوانِ غالب دیباچے میں زیرِ نظر کلام کے متعلق ایک بنی بنائے رائے ضرور پڑھنے والے کے مُنہ پر یُوں دے ماریں کہ وہ خود سے شاعر کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ جب یہ طے ہے کہ شاعری جیسی وجدانی اور ذوقی شئے کے لیے پڑھنے والے کی طبیعت ہی معیار ہوتی ہے اور ہر شعر کی اچھائی یا برائی کے متعلق ذاتی آرا میں اسی قدر اختلاف ہو سکتا ہے، جس قدر مختلف طبائع ہیں تو پھر ایسی بحث کی آخر کیا ضرورت ہے، جس کے بعد بھی رائے ترمیم اور تردید کے لئے پہلے کی طرح کھلی رہے؟ میں سوچنے لگا کہ آخر اسی روشِ عام پر چلو تو عابد کی غزل کے بارے میں میں جو کچھ سمجھتا ہوں اس کا اظہار یُوں ہو سکتا ہے، کہ حالی نے اپنے مقدمے میں اپنے زمانے کی غزل کے خلاف ایک آواز بلند کی تھی، جو کچھ انہوں نے لکھا تھا وہ انفعالی رنگ میں ردِ عمل کے طور پر اس شعر کی تنقیص تھی جو محض ہوسناکی کا آلۂ کار بن چکا تھا اس آواز کی تائید میں ایک نئی تحریک

چلی جس کے پیروؤں میں سے بعض نے غزل کو انحطاطی شاعری کا بدترین نمونہ قرار دے کر سرے سے ٹکسال باہر ثابت کرنے کی سعی کی، اس کے خیال کے حامیوں سے میں اس بحث میں نہیں الجھتا۔ کہ یہ صنفِ سخن کوئی مفید شئے ہے یا دور از کار البتہ یہ سوال ان سے ضرور کروں گا کہ اگر غزل ایسی ہو سکتی جیسی عابد نے لکھی ہے تو پھر اسے ترک کیا جائے تو آخر کیوں؟ لیکن ظاہر ہے کہ عابدؔ کو اس رائے کی احتیاج ہے نہ قاری کو اس کی ضرورت اور نہ مجھے اس کے اظہار کی آرزو۔

میں غور کرنے لگا کہ جب مجھے عابد کے کلام کی فنی حیثیت پر کچھ کہنا نہیں ہے تو پھر ان کی شخصیت کے کن ایسے پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے، جن کا اظہار ان کے کلام کا مطالعہ کرنیوالے کے لئے مفید مطلب ہو سکے، کچھ غور و فکر کے بعد مجھے سجھائی دینے لگا کہ میں اپنے مضمون میں اس پس منظر کا نقشہ کھینچوں جس میں عابدؔ کو اظہار جذبات کے لئے شعر کی تحریک ہوئی۔ اس ماحول کی تفصیلات بیان کروں، جس میں ان کی شاعری پروان چڑھی ان کے ان میلانات، رجحانات اور ادبی اقدار کی وضاحت کروں، جو ان کی نگارشات پر ہمیشہ حاوی رہیں۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔

اور پھر یک لخت میری طبیعت نے پلٹا کھایا، ہاتھ قلم کی طرف جانے کی بجائے ٹیلیفون پر پہنچا، اور جیسے ہی دوسری طرف سے پبلشر کی آواز میرے کان میں آئی، میں نے کہا حضرت پندرہ منٹ پہلے میں نے آپ سے کہا تھا، کہ مقدمہ کل آپ کو مل جائے گا، اب مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ مقدمہ نہیں پہنچے گا، اگر میں عابد کو جانتا ہوں اور وہ میرے ساتھ اتفاق کر لیں گے کہ ان کے مجموعۂ کلام کو مقدمے کی ضرورت نہیں، یہ کلام کسی زمانے میں انہوں نے اپنے لئے یا اپنے احباب کیلئے کہا تھا، لیکن اب جو اس کی اشاعت و تشہیر کا اہتمام کیا جا رہا ہے تو یہ اب اہل ملک کی ملکیت ہے اور اس کا معاملہ اب انہیں پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

ریڈیو پاکستان لاہور ۷ ار نومبر ۵۴ء

یک چمنِ گُل

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۴ء تک

غزلیات

۱

گورا گورا ان کا چہرہ پھول سا مہتاب سا
اے شبستانِ تمنّا دیکھتا ہوں خواب سا

مُردہ و افسردہ و آزردہ ہے تیرے بغیر
وہ دلِ وحشی کہ تھا اک پارۂ سیماب سا

ہم نشینو، آج بھی آنکھوں میں کٹ جائیگی رات
شام سے ہے میرا دل آشفتہ و بیتاب سا

لاکھ ڈھنڈلایا ہوا ہے لاکھ کجلایا ہوا
میرے سینے میں بھی اِک موتی تو ہے نایاب سا

۲

حدِ افق تک پھیلا ہوا تھا دشتِ غمِ دل
رُک رُک کے مجھ کو چلنا پڑا تھا منزل بہ منزل

چُپ چاپ بیٹھے سب سُن رہے تھے سُر دھن رہے تھے
زندانیوں کو خوش آگیا تھا شورِ سلاسل

دریا کی صُورت اچھی نہیں تھی کشتی نہیں تھی
غرقابِ غم تھے یا نا خُدا تھا ساحل بہ ساحل

ہم سر پھروں کا اللہ والی، اے ظرف عالی!
مرنا بُرا تھا بے شک بُرا تھا جینا ہے مشکل

تصویرِ لیلیٰ ہودج نشیں تھی لیلیٰ نہیں تھی
ذوقِ تماشا کیا جھانکتا تھا محمل بہ محمل

اس نے کہا تھا مجھ سے ملا کر، اے دل حیا کر
تو نے اٹھا کر کیوں پی لیا تھا زہر ہلاہل

کل ان سے مل کر دل کے اُفق سے شعلے نہ لپکے
میرا تخیّل طے کر چکا تھا سارے مراحل

اہل نظر کی دنیا جُدا تھی، سنگی نہ ساتھی
خود ان کا رستہ ہوتا رہا تھا رستے میں حائل

ہر نقش فانی، ہر بات آنی، غم جاودانی
تو جانتا تھا، تو دیکھتا تھا، اے ربِ عادل

آنکھوں میں جلوے سینوں میں نغمے سوئے ہوئے تھے
ہاں ایک عابدؔ رنگیں نوا تھا محفل بہ محفل

○

(۳)

غمِ دوراں غمِ جاناں کا نشاں ہے کہ جو تھا
وصفِ خوباں بحدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

لذّتِ عرضِ وفا راحتِ جاں ہے کہ جو تھی
دل تپاں، اشک رواں، شوق جواں ہے کہ جو تھا

شرع و آئین کی تعزیر کے با وصف نیاز
لب و رخسار کی جانب نگراں ہے کہ جو تھا

پردۂ شرم کی زنجیر کے ہوتے ہوئے ناز
سرِ بازارِ وفا جلوہ کناں ہے کہ جو تھا

عادتِ بادہ کشی رہن سزا ہے کہ جو تھی
نفسِ بادہ کشاں مُشک فشاں ہے کہ جو تھا

گرچہ مدت سے نہیں سامنے وہ آئینہ رُو
مرے دل پر وہی حیرت کا سماں ہے کہ جو تھا

عشق کی طرزِ تکلّم وہی چُپ ہے کہ جو تھی
لبِ خوش گوئے ہوس محوِ بیاں ہے کہ جو تھا

میرے پاؤں میں ہیں اُلجھے ہوئے ریشم کے سے تار
ہم ہوا یہ تو وہی بندِ گراں ہے کہ جو تھا

شررِ شعلہ پہ ہے لالہ و گُل کا دھوکا
سیلِ آتش پہ بہاراں کا گماں ہے کہ جو تھا

خاک آلودہ ہے گُل غرقۂ خوں ہے بُلبل
یہ چمن غم کدۂ نوحہ گراں ہے کہ جو تھا

شمعِ روشن کی سرِ بزم ضیا ہے کہ جو تھی
شمعِ کشتہ کا سرِ گور دھواں ہے کہ جو تھا

مغبچے خوش ہیں کہ بزم ان کی ہے ساقی ان کا
بر سرِ کار وُہی پیرِ مغاں ہے کہ جو تھا

تاب لا کر غمِ ہجراں کی ہُوا ہیں بدنام
اُنکو اب تک مرے جینے کا گُماں ہے کہ جو تھا

شوکتِ مسندِ پرویز عیاں ہے کہ جو تھی
نکتۂ محنتِ فرہاد نہاں ہے کہ جو تھا

سنگِ طفلاں سے ذرا بچ کے رہے قصرِ بلند
یہ وہی کارگہِ شیشہ گراں ہے کہ جو تھا

جلوۂ یار سے کیا شکوۂ بے جا کیجئے
شوقِ دیدار کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا

میرے ہنسنے پہ خفا تھے میرے رونے پہ ہنسے
وہی رنگِ ستمِ عشوہ گراں ہے کہ جو تھا

حلقۂ وعظ سے اب تک ہے گریزاں دنیا
حلقۂ زلف مدارِ دو جہاں ہے کہ جو تھا

راہگزاروں کے صنم رہزنِ دیں ہیں اب تک
وہی اسلوبِ جہاں گزاراں ہے کہ جو تھا

دوستو ہم نفسو سنتے ہو عابد کی غزل
یہ وہی شعلہ نوا سوختہ جاں ہے کہ جو تھا

○

(۴)

مثلِ شعاعِ مہر فسوں کار ہے بہار
زنداں کے بام دور سے نمودار ہے بہار

پیہم زمینِ باغ سے اٹھتی ہے موجِ رنگ
پیہم ردائے خاک پہ گل کار ہے بہار

گلچیں نظامِ صحنِ گلستاں سے ہوشیار
نرگس اسیرِ خواب ہے بیدار ہے بہار

پوشیدہ ہے گلوں سے مقامِ چمن طراز
خونِ چمن طراز سے گلنار ہے بہار

آوارہ ہیں فضا میں طیورِ غزل سرا
اُس پار ہے بہار نہ اِس پار ہے بہار

اے دوست موجِ رنگ سے بنتے نہیں چمن
اے دوست موجِ خوں کی طلبگار ہے بہار

اب راز دارِ آتشِ گُل ہیں چمن چمن
اب شعلۂ نوا میں شرربار ہے بہار

نوکِ زبانِ خار کی دیکھی نہیں ادا
غافل کو وہم ہے گل و گلزار ہے بہار

وہ میرے ساتھ صحنِ گلستاں میں ہیں رواں
چُپ ہیں طیور نقش بدیوار ہے بہار

فیضِ قدومِ یار سے اٹھتی ہے موجِ رنگ
اے باغباں حنائے کفِ یار ہے بہار

کیفیّت نشاط بھی ہے اِک مقامِ شوق
سرمست ہے نگار نہ سرشار ہے بہار

عابدؔ وہ میرے شعر میں روشن ہے آجکل
جس حرفِ آتشیں کی خریدار ہے بہار

○

(۵)

آج وا ہو درِ زنداں تو مزا آ جائے
پھر عنادل ہوں غزل خواں تو مزا آجائے

عام ہو فیضِ بہاراں تو مزا آجائے
چاک ہوں سب کے گریباں تو مزا آجائے

گردشِ جام صفِ بازپسیں تک پہنچے
یوں ہو اے گردشِ دوراں تو مزا آجائے

بزم ان کی ہو، شراب ان کی ہو ساقی ان کا
یہ جو ہو منصبِ رنداں تو مزا آجائے

کُشتۂ ناز کے سینے میں سُلگتی ہے جو آنچ
وہی بن جائے چراغاں تو مزا آجائے

ناصحوں نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
آئے وہ دشمنِ ایماں تو مزا آجائے

کسی گستاخ پتنگے نے سرِ بزم کہا
شمع بھی ہو جو پر افشاں تو مزا آجائے

واعظو میں بھی تمہاری ہی طرح مسجد میں
بیچ دُوں دولتِ ایماں تو مزا آجائے

ہمدمو، ہم نفسو، نغمہ گرو، دیدہ ورد
سب چلیں تا درِ زنداں تو مزا آجائے

اس کے با وصف کہ پابندِ سلاسل ہے نسیم
مہک اٹھے جو گلستاں تو مزا آجائے

آپ کو پاکیِ داماں کا بڑا دعوےٰ ہے
نہ دُھلے خونِ شہیداں تو مزا آجائے

کسی دیوانے کی تربت کا غبارِ گستاخ
تھام لے دامنِ سُلطان تو مزا آ جائے

شرع و آئین کے خم و پیچ میں، سُبحان اللہ
شیخ ہوں دست و گریباں تو مزا آ جائے

کیسی کیسی ہے شبِ تار یہاں جلوہ فروز
صبح اک روز ہو خنداں تو مزا آجائے

تم نے کچھ شعلہ نواؤں کا تماشا دیکھا
داغ ہوں سب کے نمایاں تو مزا آجائے

دولتِ درد ملی چند بلاکیشوں کو
اور یہ جنس ہو ارزاں تو مزا آجائے

نقشبندوں کو ہے یہ ناز کہ چُپ ہے تصویر
بول اٹھے صورتِ بے جاں تو مزا آجائے

زخمہ، ساز مرے ہاتھ سے چھینا تو نے
خود بخود تار ہوں لرزاں تو مزا آجائے

ساقیا ہے تری محفل میں خداؤں کا ہجوم
محفل افروز ہو انساں تو مزا آجائے

پھر سجاؤں غمِ جاناں سے غزل کے درد بام
بھول جاؤں غمِ دوراں تو مزا آجائے

غمِ دوراں کے فسانے جو سنائے ہیں نے
خوش ہو وہ فتنہء دوراں تو مزا آجائے

اس کے باوصف کہ تھا گیسوئے ایّام کا ذکر
اس کے گیسو ہوں پریشاں تو مزا آجائے

آج ہر چند نہ تھا لعلِ سخنداں کا بیاں
داد دے لعلِ سخنداں تو مزا آجائے

وصفِ خوباں کی جگہ سُن کے حدیثِ دگراں
ہنس پڑے وہ شہِ خوباں تو مزا آجائے

عاملِ شہر سمجھتا نہیں عابدؔ کا کلام
وہ سخنداں ہو مری جاں تو مزا آجائے

○

(۶)

اپنی تجلیوں سے معمور ہو گئے ہم
یا خاک رہگذر تھے یا طور ہو گئے ہم

یاروں کی تشنہ کامی زنداں میں یاد آئی
ساقی سے جام لے کر رنجور ہو گئے ہم

کیا واردات ہے یہ نازک سی بات ہے یہ
یا تھے مثالِ خارا یا چور ہو گئے ہم

ہم اور حبا کے زلفِ ایام سے اُلجھتے
اے کاکلِ پریشاں مجبور ہو گئے ہم

یاروں نے دشمنی کی، ہم نے خلوص برتا
کچھ دور ہو گئے وہ کچھ دور ہو گئے ہم

محفل میں آخرِ شب اک بات کی کمی تھی
وہ بات ہم نے کہہ دی منصور ہو گئے ہم

○

(۷)

لبِ نوشیں پہ تبسّم نگہِ ناز کے ساتھ
اے فسوں ساز کیا سحر بھی اعجاز کے ساتھ

دل جو ہے صورتِ پروانہ پرافشاں میرا
اک صدا اور بھی ہے ساز کی آواز کے ساتھ

کیا دلآویز تغافل ہے زہے عشوہ گری
کیا تبسّم ہے نگاہِ غلط انداز کے ساتھ

اپنے شکووں پہ ہوئی مجھ کو ندامت آخر
ہو گیا دل بھی ترے لعلِ سخن ساز کے ساتھ

شانِ رحمت بھی دکھا اے سخن آرائے بہار
صحنِ گلشن بھی عطا کر پرِ پرواز کے ساتھ

تیرے بندوں کا خدایا کوئی پرساں نہ رہا
واعظ و شیخ بھی ہیں اس بُتِ طنّاز کے ساتھ

جب ملا حکمِ رہائی تو پریشان ہو کر
ہم کھڑے ہو گئے زنداں کے در باز کے ساتھ

شعر کے پردۂ اسرار میں عابدؔ امشب
بات کرتا ہوں کسی ہمدم و مساز کے ساتھ

○

(۸)

شوق سے خود جو مرے راہ نما ہوتے ہیں
مری قسمت کہ وہی آبلہ پا ہوتے ہیں

لفظ کی بزم پُر اسرار میں خوبانِ خیال
کبھی مستور کبھی چہرہ کشا ہوتے ہیں

شعر کے رُوپ میں ڈھلتے نہیں وہ ہنگامے
جو مری بزم تصور میں بپا ہوتے ہیں

اب یہ عالم ہے کہ مرنے پہ چلے آئیں جو دوست
وُہ بھی من جملۂ اربابِ وفا ہوتے ہیں

یہی بُت شب کے اندھیرے میں جو ہیں طالبِ شوق
یہی بت دن کے اُجالے میں خدا ہوتے ہیں

کوئی پروانوں کو سمجھاؤ کہ جلنے کے سوا
اور بھی چند مقاماتِ وفا ہوتے ہیں

بادہ نوشی پہ مُصر بادہ فروشی پہ خفا
محوِ حیرت ہوں کہ یہ لوگ بھی کیا ہوتے ہیں

شرع و آئین کی ہر اک آڑ میں کرتے ہیں سوال
یہ جو زر تار قباؤں میں گدا ہوتے ہیں

کیا بتائیں تجھے کیوں ہوتے ہیں اس بن بے چین
ناصحا تنگ نہ کر کہہ جو دیا ہوتے ہیں

مجھے بیتی ہوئی راتوں کی مہک آتی ہے
ہجر کے دن بھی تری زلف رسا ہوتے ہیں

لب سے ہوتی ہوئی آنکھوں میں ہنسی جاتی ہے
اے بُتو پیار کے انداز جُدا ہوتے ہیں

مرے گلشن میں جو پابندِ قفس ہیں وہ طیور
دیدہ ور، شعلہ زباں، نغمہ سرا ہوتے ہیں

نظر آتے ہیں جہاں خون کے دریا جاری
نہ ہیں دیوانوں کے نقشِ کفِ پا ہوتے ہیں

شعر سن کر مرے ہنستے ہیں کہ عاشق ہے کہیں
یعنی خوبانِ ستم پیشہ بلا ہوتے ہیں

قرض جتنے غمِ دوراں کے ہیں مجھ پر عابد
غمِ جاناں کے وسیلے سے ادا ہوتے ہیں

○

(۹)

دشتِ ایمن سے چلے کوئے بُتاں تک پہنچے
تیرے دیوانے رموزِ دو جہاں تک پہنچے

بُت کے راندے ہوئے اللہ کے ٹھکرائے ہوئے
آخرِ کار درِ پیرِ مغاں تک پہنچے

غم کو ہیں عار وہ آہیں کہ لبوں تک آئیں
دل پہ ہیں بار وہ شکوے کہ زباں تک پہنچے

مرحلے اور بھی ہیں جاں سے گزرنے کے سوا
عشق میں ہم نفسو کوئی کہاں تک پہنچے

ترے جلووں کی رسائی کا تماشا دیکھا
منزلِ دل سے چلے منزلِ جاں تک پہنچے

کاروانِ غمِ دل دشتِ جنوں سے گزرا
آج ہم غایتِ عمرِ گزراں تک پہنچے

عشق کا ساتھ دیا صدق و یقیں تک آئے
عقل سے کام لیا وہم و گماں تک پہنچے

اہلِ منصب نے کیا کور نگاہوں کو سلام
اہلِ دل بارگہِ دیدہ وراں تک پہنچے

جن کو رہنا تھا رہے ہم سخنوں کے ہمراہ
جن کو جانا تھا گئے بزمِ شہاں تک پہنچے

مل گئیں سب حرم و دیر کی راہیں آ کر
شکر صد شکر کہ ہم شہرِ مغاں تک پہنچے

رہ گئے بار قتیلِ غمِ دوراں ہو کر
ہم سے کچھ سوختہ جاں کوئے بُتاں تک پہنچے

پھر بہار آئی کہ ناگاہ اسیرانِ غیور
ہمرہِ شاخِ قفس برقِ تپاں تک پہنچے

کچھ کرو چارہ گرو دل کی گراں جانی کا
شیشہ ٹوٹے تو کفِ شیشہ گراں تک پہنچے

تمہیں سچے کہ رہا رنگِ تغافل یکساں
ہمیں جھوٹے کہ خموشی سے فغاں تک پہنچے

اپنے احوال و مقامات سے میں واقف ہوں
وہ نو حالات ہیں جو اہل جہاں تک پہنچے

خوشنوائی کی ملی داد کہ میرے اشعار
مہ وشاں کجکلہاں، خوش نگہاں تک پہنچے

میں نے رسماً جو کیا عشق بُتاں سے انکار
کیا تبسّم لبِ لعلینِ بُتاں تک پہنچے

میری آنکھوں سے گریزاں ہیں وہ جلوے اب تک
عکس جن کے مرے آئینۂ جاں تک پہنچے

دامنِ یار کی منزل سے گزر کر آخر
دستِ عشّاق سرِ تاجوراں تک پہنچے

چاند اترا مرے کاشانے میں عابدؔ کل رات
دیکھئے رات کی یہ بات کہاں تک پہنچے

○

(١٠)

چین پڑتا ہے دل کو آج نہ کل
وہی الجھن گھڑی گھڑی پل پل

مرا جینا ہے سیج کانٹوں کی
ان کے مرنے کا نام تاج محل

یا کبھی عاشقی کا کھیل نہ کھیل
یا اگر مات ہو تو ہاتھ نہ مل

آ رہی ہے صدا پپیہے کی
جس نے سر پر اٹھا لیا جنگل

کیا سہانی گھٹا ہے ساون کی
سانوری نار مدھ بھری چنچل

نہ ہوا رفع میرے دل کا غبار
کیسے کیسے برس گئے بادل

پیار کی راگنی انوکھی ہے
اس میں لگتی ہیں سب سُریں کومل

بات نرمی سے یوں وہ کرتے ہیں
جیسے لہرائے ریشمی آنچل

بن پیئے انکھڑیاں نشیلی ہیں
نین کالے ہیں تیرے بِن کاجل

مجھے دھوکا ہوا کہ جادو ہے
پاؤں بجتے ہیں تیرے بِن چھاگل

کبھی بدلا نہ کام دیو کا رُوپ
وہی سج دھج رہی وہی چھل بل

لاکھ آندھی چلے خیاباں میں
مسکراتے ہیں طاقچوں میں کنول

لاکھ بجلی گرے گلستاں میں
لہلہاتی ہے شاخ پر کونپل

کھِل رہا ہے گلاب ڈالی پر
جل رہی ہے بہار کی مشعل

کوہکن سے مفر نہیں کوئی
بے ستوں ہو کہیں کہ بندھیاچل

ایک دن پتھروں کے بوجھ تلے
خود بخود گر پڑیں گے راج محل

میں نے ہنستے جو کی وہ بات ہے اور
تیری چاہت میں جی رہا ہے کل

دمِ رُخصت وہ چُپ رہے عابد
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

○

(۱۱)

کاروانِ گل و ریحاں گزرے
صورتِ برق درخشاں گزرے

گردشِ جام نہیں رک سکتی
جو بھی اے گردشِ دوراں گزرے

کیا بتاؤں کہ مری آنکھوں سے
کس قدر خواب پریشاں گزرے

مٹ کے بنتا رہا ہیں مثلِ حباب
دائیں بائیں مرے طوفاں گزرے

غمِ ہستی کے بیابانوں میں
کچھ ہمیں تھے کہ غزل خواں گزرے

صبحِ محشر ہو بلا سے ظاہر
کسی صورت شبِ ہجراں گزرے

کوئی برسا نہ سرِ کشتِ وفا
کتنے بادل گہر افشاں گزرے

جان سے بھی وہ گزر جاتے ہیں
جن پر اے ناصحِ ناداں گزرے

اے غمِ یار تری راہوں سے
عمر بھر سوختہ ساماں گزرے

وہ جو پروانے جلے رات کی رات
منزلِ عشق سے آساں گزرے

اہلِ آدم کو نہ آیا کوئی راس
کئی آذر کئی یزداں گذرے

غم کے تاریک اُفق پر عابدؔ
کچھ ستارے سرِ مژگاں گذرے

○

(۱۲)

جینے کا شعور جاں گسل تھا
یہ صورتِ وارداتِ دل تھی

پروانوں کو رات بھر جو روئی
روشن ہے کہ شمع، مومِ دل تھی

یا سیلِ بہار سست رو تھا
یا نبضِ حیات مضمحل تھی

شکووں پہ مجھے بھی تھی ندامت
کچھ اس کی نگاہ بھی خجل تھی

دنیا کے لئے بنی وہ ٹھنڈک
سینے میں جو آگ مشتعل تھی

(۱۳)

محفل فروز جلوۂ جانانہ ہو چکا
دیوانہ دل کو ہونا تھا دیوانہ ہو چکا

سیکھے تری نگاہ سے آدابِ خامشی
اب مجھ سے کوئی نعرۂ مستانہ ہو چکا

بکھیں چمن میں پھول تو آتا ہے مجھ کو یاد
وہ موسم بہار کہ افسانہ ہو چکا

اس بدنصیب کو کہیں ملتی نہیں پناہ
جو تیری بارگاہ سے بیگانہ ہو چکا

آیا ہمارے جینے کا انداز سب کو یاد
جب ذکرِ جاں نثاریٔ پروانہ ہو چکا

کچھ روز آستانِ درِ یار بھی سہی
عابدؔ طوافِ کعبہ و بُت خانہ ہو چکا

○

(۱۴)

بہر صورت یہ روشن ہے کہ پروانوں پہ کیا گزری
جنھیں جینا پڑا ان سوختہ جانوں پہ کیا گزری

سرِ محفل متاعِ دین و ایماں اس نے غارت کی
متاعِ دین و ایماں کے نگہبانوں پہ کیا گزری

شبستاں پر وہ گزری جو گزرتی ہے شبستاں پر
دیارِ ناز کے رنگیں، صنم خانوں پہ کیا گزری

گرفتارِ تمنا تھے خدا جانے کہاں پہنچے
نہیں زنجیر بھی محرم کہ دیوانوں پہ کیا گزری

سکوتِ لالہ و گُل سے نمایاں ہے کہ گلشن میں
سخن سنجوں پہ کیا بیتی غزل خوانوں پہ کیا گزری

غمِ جاناں کی راہوں میں جنھیں کل میں نے دیکھا تھا
غمِ دوراں بتا ان سوختہ جانوں پہ کیا گزری

ابھی سُنتا ہوں میں کچھ اور دنیا میں بھی ہیں عابدؔ
معاذاللہ اسی دنیا میں انسانوں پہ کیا گزری

○

(۱۵)

کیا مقامِ بلند رکھتا ہوں
میں دلِ درد مند رکھتا ہوں

چاندنی چاندنی ہے بزمِ خیال
مہ وشوں کو پسند رکھتا ہوں

دل میں ایسا ہے اک مقامِ جہاں
سینت کر زہر خند رکھتا ہوں

نغمۂ رنگ شعلۂ آہنگ
شعبدے میں بھی چند رکھتا ہوں

حذر اے ساکنانِ بامِ بلند
آستیں میں کمند رکھتا ہوں

مجھ پہ آساں ہے زندگی عابدؔ
طبعِ مشکل پسند رکھتا ہوں

○

(۱۶)

نشتر کی نوکِ دل میں اتارے چلے گئے
ہم یوں عروسِ غم کو سنوارے چلے گئے

آیا نہ ہاتھ گوشۂ دامانِ التفات
لیکن فقیر ہاتھ پسارے چلے گئے

قائم رہیں بوصف کرم بھی حدودِ ناز
دریا کے ساتھ ساتھ کنارے چلے گئے

دِل کو تمہیں نے ہاتھ میں لے کر مسل دیا
ہم سادہ دل تمہیں کو پکارے چلے گئے

چلنا رہِ حیات پہ دشوار تھا مگر
تیرے متاعِ غم کے سہارے چلے گئے

آیا ترا خیال مٹے نقش ماسوا
ابھرا افق سے چاند، ستارے چلے گئے

محفل کو ناگوار تھی عرضِ شکستِ دل
محفل سے اٹھ کے درد کے مارے چلے گئے

ہاں اے زمینِ گورِ غریباں جواب دے
کیوں مجھ سے روٹھ کر مرے پیارے چلے گئے

عابدؔ زمانہ ہم کو مٹاتا چلا گیا
ہم نقشِ زندگی کو اُبھارے چلے گئے

○

(۱۷)

یہ کیا طلسم ہے دُنیا پہ بار گزری ہے
وہ زندگی کہ سرِ رہگذار گزری ہے

کہیں سحر کا اُجالا ہوا ہے ہم نفسو
کہ موجِ برق سرِ شاخسار گزری ہے

رہا ہے یہ سرِ شوریدہ مثلِ شعلہ بلند
اگرچہ مجھ پہ قیامت ہزار گزری ہے

یہ حادثہ بھی ہوا ہے کہ عشقِ یار کی یاد
دیارِ قلب سے بیگانہ وار گزری ہے

گلوں کی خوں شدگی سے سراغ ملتا ہے
کہیں چمن سے نسیم بہار گزری ہے

مقیم کوچۂ دلدار کو پتہ بھی نہیں
کدھر سے زندگیٔ مستعار گزری ہے

انہیں کو عرضِ وفا کا تھا اشتیاق بہت
انہیں کو عرضِ وفا ناگوار گزری ہے

کبھی ہجوم غمِ روزگار دیکھا ہے
کبھی مصیبتِ ہجرانِ یار گزری ہے

حریم شوق مہکتا ہے آج تک عابد
یہاں سے نکہت گیسوئے یار گزری ہے

○

(۱۸)

ساز ہستی کی صدا عرش بریں تک پہنچے
اے خوشا جنسِ امانت کہ امیں تک پہنچے

ہائے وہ شانِ تغافل کہ ہے مجھ سے مخصوص
ہائے وہ عرضِ تمنا کہ تمہیں تک پہنچے

منزلیں اور بھی تھیں منزلِ جاناں کے سوا
ہم بہ محرومیٔ تقدیر وہیں تک پہنچے

ہاتھ میں مشعلِ خورشید جلو میں تارے
کس تکلف سے ہم اس ماہ جبیں تک پہنچے

اے خدا وہم غلط کار کو دے اذنِ جنوں
کہ خرد مرحلۂ ذوق یقیں تک پہنچے

اپنی افتاد کی روداد یہ ہے اہل نظر
سوئے افلاک رواں تھے کہ زمیں تک پہنچے

ہم خرابات نشینوں کا وہ عالی ہے مقام
کہ جو کم ظرف رہے تخت و نگیں تک پہنچے

پہلے فردوس کی محفل سے نکالے گئے ہم
پھر تری محفلِ فردوس قریں تک پہنچے

دولت دیں پہ بہت ناز ہے مجھ کو عابدؔ
کاش یہ بات کسی دشمنِ دیں تک پہنچے

○

(۱۹)

چاند ستاروں سے کیا پوچھوں کب دن میرے پھرتے ہیں
وہ تو بچارے خود ہیں بھکاری ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں

جن گلیوں میں ہم نے سُکھ کی سیج پہ راتیں کاٹی تھیں
ان گلیوں میں بے کل ہو کر سانجھ سویرے پھرتے ہیں

رُوپ سروپ کی جوت جگانا اس نگری میں جوکھم ہے
چاروں کھونٹ بگولے بن کر گھور اندھیرے پھرتے ہیں

جن کے شام برن سایوں میں میرا من سستایا تھا
ابتک میری نظروں میں وہ بال گھنیرے پھرتے ہیں

کوئی ہمیں بھی تو سمجھا دو اُن پر دل کیوں ریجھ گیا
تیکھی چتون بانکی چھب والے بہتیرے پھرتے ہیں

اِک دن اس نے نین ملا کے شرما کے منہ پھیرا تھا
تب سے سُندر سُندر سپنے من کو گھیرے پھرتے ہیں

اس نگری کے باغ اور بن کی یارو لیلا نیاری ہے
اس میں پنچھی سر پہ اٹھا کر اپنے بسیرے پھرتے ہیں

کیسے کیسے میٹھے بولوں سے ہم کو پرچاتے ہیں
کیسے کیسے بھیس بدل کر چور لیٹرے پھرتے ہیں

لوگ تو دامن سی لیتے ہیں جیسے بھی ہو جی لیتے ہیں
عابدؔ ہم دیوانے ہیں جو بال بکھیرے پھرتے ہیں

○

(۲۰)

رُخِ ماہتاب روشن لبِ لعلِ یار خنداں
کبھی لوٹ کے نہ آئی وہ شبِ نگار بنداں

میں کبھی غزل نہ کہتا! مجھے کیا خبر تھی ہمدم
کہ بیانِ غم سے ہوتا ہے شعورِ غم دو چنداں

میری کیا خطا ہے آخر مجھے کیا ہوا ہے آخر
یہ ہجوم چارہ سازاں، یہ گروہِ درد منداں

مجھے زُعمِ کج کلاہی بہ جناب بادشاہی
مجھے دعوئ خدائی بہ حضور خود پسنداں

رمِ ماہ مہر و انجم سے مرا جہاں ہے خالی
نہ نمودِ شامِ ظلمت نہ طلوعِ صبحِ خنداں

کبھی آئے وہ جو ملنے مجھے عاشقی سے روکا
بہ سبیلِ غمگساری بطریقِ دردمنداں

سرِ شام کیا ستارے مرے غم کدے میں چمکے
کئی عنبریں کمنداں کئی گوہریں پرنداں

تری بے رُخی تبسم، تری خامشی تکلّم
تری ہر نگہ سخن گو تری ہر ادا سخنداں

سرِ زلف عنبر آگیں کفِ دستِ ماہ و پرویں
شکریں ہے لعلِ رنگیں گہریں ہے سلکِ دنداں

بہ عنانِ روزِ اشہب، بہ فسارِ شامِ ادہم
مجھے کھینچتا ہے کوئی پئے بادِپا سمنداں

کوئی ہم زباں تو ہو گا کوئی رازداں تو ہو گا
یہ غزل پڑھوں گا عابدؔ سرِ بزمِ ارجمنداں

۲۱

تمہاری چشمِ سخن ساز کے اشاروں پر
غزل کے طاق میں جادو جگا دیئے ہیں نے

تمہارے لعل سخن گو کی سرخیاں لے کر
جبین شعر پہ قشقے لگا دیئے ہیں نے

وہی ہیں زینتِ محفل وہی ہیں زیبِ سخن
جو ایک بار فسانے سنا دیئے ہیں نے

غمِ وفا میں دکھائیں غمِ جہاں کی سُریں
تمام ساز کے پردے ملا دیئے ہیں نے

اِن آنسوؤں سے پروئے غزل کے گوہرِ ناب
جو بچ گئے سرِ مژگاں سجا دیئے ہیں نے

دُھواں دھواں تھا جو دل کا چراغ پہلو میں
اُسی سے قصرِ وفا جگمگا دیئے ہیں نے

خود اپنے گوشۂ دامن سے ہمدمو، سرِ شام
چراغِ بزمِ تمنا بجھا دیئے ہیں نے

○

(۲۲)

(ا)

کوششیں ترکِ محبت کی ہیں ناکام ابھی
دل دھڑکتا ہے جو لیتا ہوں ترا نام ابھی

گردشِ جام کے سائے میں نہیں چلتا ہوں
خوش گماں تجھ سے ہوں اے گردشِ ایام ابھی

(ب)

محرومِ التفات رہی کشتِ آرزو
بارانِ و بادو برق و شرر نے خبر نہ لی

برسوں اسیرِ عالمِ بے روز و شب رہے
برسوں نمودِ شام و سحر نے خبر نہ لی

دل کو مزاجِ شعلہ و سیماب بخش کر
پھر اس نگارِ شعبدہ گر نے خبر نہ لی

(ج)

جس نے شبِ حیات کو دی نور کی مہک
مکھڑا وہ اُن کا، چاند کا ٹکڑا گلاب سا

سنتا ہوں اپنے ترکِ تمنا کی داستاں
آتا ہے اپنے آپ سے مجھ کو حجاب سا

(۲۳)

(ا)

کسی کے آسرے پر زندگی گذرے نہ گذرے گی
کسی کو زندگی کا آسرا کہہ دوں تو کیا ہوگا

(ب)

عزیزوں پہ کیا ضبط کا راز کھولیں
نہیں اتنی فرصت مہیا کہ رولیں

نصیحت گروں سے کریں اُن کی باتیں
چلو بادۂ ناب میں زہر گھولیں

(ج)

یارب چمن کی خیر کہ آندھی ہے تُند و تیز
دوشِ ہوا پہ پھول بھی ہیں خار و خس کیساتھ

کن منزلوں سے آج گذرتا ہے کارواں
فریاد کی صدا بھی ہے صوتِ جرس کے ساتھ

○

(۲۴)

مہک رہا ہے چمن ہنس رہے ہیں گُل بُوٹے
چلی نسیم کہ جلوے بہار کے لُوٹے..!

نظر پہ جس کی ہوں پہرے وہ آنکھ کیا کھولے
زباں پہ جس کی ہوں مُہریں وہ منہ سے کیا پھُوٹے

یوں ہی سہی دلِ ناداں وہ باوفا ہی سہی
ہمیں سہی ترے دُشمن ہمیں سہی جھُوٹے

خدا کا شکر کہ پروائے رنگ و بُو نہ رہی
خدا کا شُکر کہ جس بہار سے چھوٹے..!

نہیں جو دولتِ ایماں پہ ناز ہے عابدؔ
سُنے وہ دشمنِ ایماں تو کیا غضب لُوٹے

○

(۲۵)

کہو بتوں سے کہ ہم طبع سادہ رکھتے ہیں
پھر ان سے عرضِ وفا کا ارادہ رکھتے ہیں

انہیں کی تشنہ لبی کے فسانے سنتا ہوں
جو ہمنشیں سروسامانِ بادہ رکھتے ہیں

یہی خطا ہے کہ اس گیرودار میں ہم لوگ
دلِ شگفتہ جبین کشادہ رکھتے ہیں

کسے خبر کہ گریبانِ دل ہے چاک اب تک
کہ دیکھنے کو سلامت لبادہ رکھتے ہیں

تیرے فقیر ہیں اس انجمن کی جانِ جہاں
قدم سنبھل کے شہ و شاہزادہ رکھتے ہیں

خدا گواہ کہ اصنام سے ہے کم رغبت
صنم گری کی تمنا زیادہ رکھتے ہیں

دُکانِ بادہ فروشاں کے صحن میں عابدؔ
فرشتے خلد کا اک در کشادہ رکھتے ہیں

○

۲۶

دل کے مٹنے کا نشاں رہتا ہے
آگ بُجھنے پہ دھواں رہتا ہے

ہاں سلامت رہو رندو! تم پر
کچھ رفاقت کا گماں رہتا ہے

شعلے یوں اُٹھتے ہیں گلزاروں سے
کہ بہاراں کا سماں رہتا ہے

عاشقی مہر بلب رہتی ہے
مدّعی محوِ بیاں رہتا ہے

سب خداؤں کی خدائی کا شعور
دلِ انساں پہ گراں رہتا ہے

تجھ پہ مخفی ہے جو مجھ پر گزری
تو قریبِ رگِ جاں رہتا ہے

تم کہاں رہتے ہو عابدؔ میری جاں
دل تو رہتا ہے جہاں رہتا ہے

○

(۲۷)

بہت لکھی ہے غزل ماہ پیکروں کیلئے
اب ایک دور چلے تیرہ اختروں کے لئے

نقاب سنگ اٹھائیں تو ہاتھ کٹتے ہیں
بلائے جاں ہے یہ بستی صنم گروں کے لئے

عطا ہوئی جنھیں پرواز ان پر کیا بیتی
پھڑک رہے ہو یونہی دوستو پروں کے لئے

تجھی نے اے غم دوراں لہو نچوڑ لیا
بچا نہ کچھ غم جاناں کے نشتروں کے لئے

ہمیں ہیں نغمہ سرانِ کے لالہ زاروں میں
ہمیں ہیں سنگ فساں اُنکے خنجروں کیلئے

اگرچہ گردش دوراں تھی پاسبانِ بہار
چرا کے لایا ہوں نغمے سمن بروں کیلئے

نئے ستارے بناتی ہے کارگاہِ خیال
اب آئینے نہیں بنتے سکندروں کیلئے

قضا کا شعبدہ گر موتیوں کے ہار کے ساتھ
صلیب و دار بھی رکھتا ہے رہبروں کیلئے

اُلجھ پڑے سرِ بازار مومنوں کے گروہ
صلائے عام ہے اس وقت کافروں کیلئے

نزولِ شعر ہو دل پر تو ہم کو بس ہے یہی
صحیفے ہوتے ہیں نازل پیمبروں کے لئے

کھلی ہیں کافر و دیندار کے لئے راہیں
زمین تنگ ہے عابدؔ سخنوروں کے لئے

○

(۲۸)

سازوآواز پہ کیا گزرے گی
نغمہ پرداز پہ کیا گزرے گی

شبِ ہجراں کے ستارو بولو
دیدۂ باز پہ کیا گزرے گی

میرا غم خانہ پتا دیتا ہے
محفلِ ناز پہ کیا گزرے گی

بات کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے
محرمِ راز پہ کیا گزرے گی

اے خدا! ساز ہے مجبورِ سکوت
صاحبِ ساز پہ کیا گزرے گی

یونہی خنداں جو رہا لعل نگار
سحر و اعجاز پہ کیا گزرے گی

دمِ پرواز نہ سوچا ہیں نے
پرِ پرواز پہ کیا گزرے گی

اپنے پھندے میں اُلجھتا ہے جمال
اُس فسوں ساز پہ کیا گزرے گی

کن منازل سے گزرتا ہے خیال
اُس نظر باز پہ کیا گزرے گی

کوئی دِل سوز نہیں ہے عابدؔ
دل کی آواز پہ کیا گزرے گی

(۲۹)

دل ہے آئینۂ حیرت سے دوچار آج کی رات
غمِ دوراں میں ہے عکسِ غمِ یار آج کی رات

ہو گیا ہر بُنِ مُو صورتِ نَے، شکوہ سرا
مجھ سے ہشیار کہ ہوں سینہ فگار آج کی رات

آتشِ لالہ کو دامن سے ہوا دیتی ہے
دیدنی ہے رَوِشِ موجِ بہار آج کی رات

آج کی رات کا مہمان ہے ملبوس حریر
اس چمن زار سے اُگتے ہیں شرار آج کی رات

طاقِ کسریٰ کے چراغوں کی لویں مدھم ہیں
ہو رہا ہے کہیں داغوں کا شمار آج کی رات

مَیں نے فرہاد کی آغوش میں شیریں دیکھی
مَیں نے پرویز کو دیکھا سرِ دار آج کی رات

شہر خوباں میں نہیں کوئی غزل خواں امشب
نافِ آہو میں نہیں مشک تتار آج کی رات

جو چمن صَرفِ خزاں ہیں وہ بلاتے ہیں مجھے
مجھے فرصت نہیں اے جانِ بہار آج کی رات

درِ یزداں پہ بھی جھکتی نہیں اس وقت جبیں
مجھ سے آنکھیں نہ لڑا اے درِ یار آج کی رات

وقت کہتا ہے کہ برہم ہو یہ محفل ساقی
میکدے آج کے دن بادہ گسار آج کی رات

آج کی رات ہے دل کا ترے سائے میں قیام
آج کی رات بس اے زلف نگار آج کی رات

خاک پامال ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
صفتِ کاہکشاں راہگذار آج کی رات

کھل گئے شعبدہ سازانِ چمن کے اسرار
ڈھل گیا دیدۂ نرگس کا غبار آج کی رات

دیکھ اے بادِ صبا پھول متکر خواب میں ہیں
مسندِ گل کا طلبگار ہے خار آج کی رات

صبح دم نور کا سیلاب رُکا ہے نہ رُکے
جو ترے جی میں ہو کر شعبدہ کار آج کی رات

بوئے خُوں آتی ہے صحرائے تمنّا سے مجھے
کھیلتا ہوں دل وحشی کا شکار آج کی رات

کوئی منصور سے جا کر یہ کہو ہم نَفَسو!
ہوں بہ تعزیرِ خموشی سرِ دار آج کی رات

مشعلِ شعر کا لایا ہوں چڑھاوا عابدؔ
جگمگاتے ہیں شہیدوں کے مزار آج کی رات

(۳۰)

واعظِ شہر خدا ہے مجھے معلوم نہ تھا
یہی بندے کی خطا ہے مجھے معلوم نہ تھا

نغمۂ نے بھی نہ ہو بانگِ بطِ مے بھی نہ ہو
یہ بھی جینے کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا

اپنے ہی ساز کی آواز پہ حیران تھا میں
زخمۂ ساز نیا ہے مجھے معلوم نہ تھا

حکمِ صیاد کے باوصف غزل خواں ہیں طیور
پُر فشاں بادِ صبا ہے مجھے معلوم نہ تھا

میں سمجھتا تھا جسے ہیکل و محراب و کنشت
میرا نقشِ کفِ پا ہے مجھے معلوم نہ تھا

جس کے ایما سے کیا شیخ نے بندوں کو ہلاک
وہی بندوں کا خدا ہے مجھے معلوم نہ تھا

خطبہ ترغیبِ ہلاکت کا رواہے اے دوست
شعر کہنے کی سزا ہے مجھے معلوم نہ تھا

شبِ ہجراں کی درازی سے پریشان تھا میں
یہ تری زلفِ رسا ہے مجھے معلوم نہ تھا

کفر و ایماں کی حدیں کس نے معیّن کی تھیں
اس پہ ہنگامہ بپا ہے مجھے معلوم نہ تھا

یہی مارِ دو زباں میرا لہو چاٹ گیا
رہنما ایک بلا ہے مجھے معلوم نہ تھا

پر فشاں تھے دفِ ونے دِل کے شبستاں میں کہیں
کون یوں نغمہ سرا ہے مجھے معلوم نہ تھا

چہرہ کھولے نظر آتی تھی عروسِ گلزار
منہ پہ شبنم کی رِدا ہے مجھے معلوم نہ تھا

خار زارِ غمِ ہستی میں نہ آیا مرے کام
غمِ یار آبلہ پا ہے مجھے معلوم نہ تھا

وہ مجھے مشورۂ ترکِ وفا دیتے تھے
یہ محبّت کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا

میں وہی ہوں کہ ہوا ترکِ وفا پر مجبُور
بات ناصح کی بجا ہے مجھے معلوم نہ تھا

غمِ دوراں کا مداوا نہ ہوا پر نہ ہوا
ہاتھ میں کس کے شِفا ہے مجھے معلوم نہ تھا

مجھکو ہوتا تھا دلِ خوں شُدہ کا جس پہ گماں
کفِ خوباں کی حنا ہے مجھے معلوم نہ تھا

عجب انداز سے تھا کوئی غزل خواں کل رات
عابد شعلہ نوا ہے مجھے معلوم نہ تھا

O

(۳۱)

بس کر اے دردِ مہجوری
اور بھی تھے کچھ کام ضروری

رمزِ سخن کی خوبی یہ ہے
مطلب پورا بات اَدھوری

قائم ہے ارژنگ کی دنیا
مٹ کے رہا نقشِ فغفوری

سوزِ تمنّا سے روشن ہے
خاکی ہو انسان کہ نوری

عشق میں سب سے مشورہ چاہا
سب نے ظاہر کی معذوری

ہم دنیا میں بے مطلب ہیں
دنیا ہے مطلب کی پوری

اندھوں کی دنیا میں ہمدم
فاصلے کہلاتے ہیں دوری

سینہ کیسا روشن ہوگا
دیکھو آنکھوں کی بے نُوری

عشق میں ہر صورت نازک ہے
محرُومی ہو یا مجبُوری

پیار کا عابدؔ روگ جو پالوں
پہلے ان سے لُوں منظوری

(۳۲)

خُم کو پہچان جام کو پہچان
مے کشوں کے مقام کو پہچان

منہ سے اب کچھ کہا نہیں جاتا
ساقیا تشنہ کام کو پہچان

تُو نہ سمجھا مقامِ نغمہ گری
شورِ بالائے بام کو پہچان

یہی احباب تیرے مخبر ہیں
کاتبینِ کرام کو پہچان

کیا قیامت گزر گئی ہو گی
بے نوا کے سلام کو پہچان

عاملِ شہر مجھ کو داد نہ دے
کبھی رمزِ کلام کو پہچان

پردے پردے میں ہے وہ نغمہ سرا
عابدؔ نغزِ کلام کو پہچان

(۳۳)

آئی سحر قریب تو مَیں نے پڑھی غزل
جلنے لگے ستاروں کے بجھتے ہوئے کنول

بیتاب ہے جنوں کہ غزل خوانیاں کروں
خاموش ہے خرد کہ نہیں بات کا محل

راہوں میں جوئے خوں ہے رواں مثلِ موجِ مے
ساقی یقیں نہ ہو تو ذرا میرے ساتھ چل

ہم رندِ خاک دخوں میں اَٹے ہاتھ بھی کٹے
نکلے نہ اے بہار ترے گیسوؤں کے بل

کچھ بجلیوں کا شور ہے کچھ آندھیوں کا زور
دل ہے مقام پر تو ذرا بام پر نکل

اب ترکِ دوستی ہی تقاضا ہے وقت کا
اے یار چارہ ساز مری آگ میں نہ جل

اے التفاتِ یار مجھے سوچنے تو دے
جینے کا ہے مقام کہ مرنے کا ہے محل

دل پر ہے ایسا بوجھ کہ کھلتی نہیں زباں
آندھی ہے ایسی تیز کہ جلتا نہیں کنول

کیسے دیئے جلائے غمِ روزگار نے
کچھ اور جگمگائے غمِ یار کے محل

فرمانِ شہر یار کی پروا نہیں مجھے
ایمائے عاشقاں ہو تو عابدؔ پڑھے غزل

○

(۳۴)

ہر پھول داغدار ہے اب سوچنا پڑا
کہنے ہیں یہ بہار ہے اب سوچنا پڑا

بن سوچنے کے ہم تھے چمن میں غزل سرا
برپا چمن میں دار ہے اب سوچنا پڑا

اب راہبر کے فیض سے غائب ہے رہگذر
اب چار سُو غبار ہے اب سوچنا پڑا

ہیں اور سوچ گردشِ لیل و نہار کی
ایمائے چشم یار ہے اب سوچنا پڑا

ہونا تھا یہ تو زینتِ مژگانِ عاشقاں
خوں، زیبِ رہگذار ہے، اب سوچنا پڑا

سوچے بغیر ہم نے جو مانی تھی دل کی بات
اب دل گلے کا ہار ہے اب سوچنا پڑا

دل میں غمِ جہاں بھی ہے یادِ بتاں کیساتھ
کس کس کو مجھ سے پیار ہے اب سوچنا پڑا

سر پھوڑنے کا حکم نہ سجدوں کا اعتبار
یہ آستانِ یار ہے اب سوچنا پڑا

وہ دن گئے کہ ربط نسیم و صبا سے تھا
اب سانس دل پہ بار ہے اب سوچنا پڑا

عابدؔ یہ کہہ رہا ہے کہ عرضِ ہنر نہ کر
عابدؔ پہ اعتبار ہے اب سوچنا پڑا

(۳۵)

سب کے جلوے نظر سے گزرے ہیں
وہ نہ جانے کدھر سے گزرے ہیں

موجِ آوازِ پائے یار کے ساتھ
نغمے دیوار و در سے گزرے ہیں

آج آتے ہیں اپنے آپ کو یاد
آج دل کے نگر سے گزرے ہیں

تب نویدِ سحر ہوئی ہے نصیب
جب اُمیدِ سحر سے گزرے ہیں

دیکھنا اس طرف دھواں تو نہیں
اس طرف کو شرر سے گزرے ہیں

گھر کے گوشے میں تھے کہیں پنہاں
جتنے طوفان گھر سے گزرے ہیں

کہیں جلتے ہیں خار و خس شاید
شعلے شاخِ شجر سے گزرے ہیں

ہوسِ خام سے مفر ہی نہیں
سب اِسی رہ گزر سے گزرے ہیں

زُلف کے غم ہوں یا جہان کے غم
مر مٹے ہم جدھر سے گزرے ہیں

جن سے غم بڑھ گیا وُہ آنسو بھی
منزلِ چشمِ تر سے گذرے ہیں

صدفِ تہ نشیں بھی کانپ گیا
کیسے طوفان سر سے گزرے ہیں

ہجر کی لذتیں وصال کے روگ
سارے عالم نظر سے گذرے ہیں

باغ شاداب موجِ گل ہی نہیں
سیلِ خوں بھی ادھر سے گزرے ہیں

جب کھنچی ہے کہیں کماں عابدؔ
تیر میرے جگر سے گزرے ہیں

۳۶

گلشن میں خول رواں تھا یا میں نے خواب دیکھا
ہر پھول ارغواں تھا یا میں نے خواب دیکھا

دوش ہوا پہ خس تھے جلتے ہوئے قفس تھے
چاروں طرف دھواں تھا یا میں نے خواب دیکھا

احباب راندۂ در، اغیار زیبِ محفل
یہ تیرا آستاں تھا یا میں نے خواب دیکھا

نکہت سے نغمہ جاری نغمے پہ نور طاری
یہ رنگ بوستاں تھا یا مَیں نے خواب دیکھا

شعلے دہک رہے تھے جلوے مہک رہے تھے
خود وہ بلائے جاں تھا یا میں نے خواب دیکھا

کاجل کی اوٹ پلکیں، آنچل کی اوٹ مکھڑا
جادو کا یہ سماں تھا یا میں نے خواب دیکھا

لعلِ نگار خنداں، نورِ قمر دو چنداں
یہ وہم یا گماں تھا یا میں نے خواب دیکھا

O

(۳۷)

کھوئے گئے جمال کی تابانیوں میں ہم
پائے گئے نگاہ کی حیرانیوں میں ہم

مقبولِ دلبراں ہیں غزل خوانیوں میں ہم
مرغوب عاشقاں ہیں ادا دانیوں میں ہم

دل میں رہا نہ قطرۂ خوں اے غمِ فراق
برباد ہو گئے تری مہمانیوں میں ہم

چپ چاپ کچھ نسیم نے کلیوں سے کہہ دیا
بیٹھے رہے چمن کی نگہبانیوں میں ہم

دیوارِ صحنِ باغ ہے چاروں طرف بلند
گنتے ہیں اپنے آپ کو زندانیوں میں ہم

سُلجھے ہوئے ہیں آپ کے گیسوئے عنبریں
اُلجھے ہوئے ہیں اپنی پریشانیوں میں ہم

پھولوں سے ہمکلام ہیں کانٹوں کے ہمزبان
خوش ہیں درِ بہار کی دربانیوں میں ہم

سمجھے نہ ان کی چشمِ سخن گو کا ماجرا
مشہورِ انجمن تھے سخندانیوں میں ہم

حُسنِ کلام نے کبھی دل کا دیا نہ ساتھ
مخفی رہے خیال کی ویرانیوں میں ہم

عرضِ ہنر ہے پردۂ اظہارِ آرزو
پوشیدہ ہیں کلام کی عریانیوں میں ہم

دادِ کلام دے لبِ لعلِ سخن بَراں
مصروف ہوں جہاں گہر افشانیوں میں ہم

عابدؔ حضورِ یار یہ اشعارِ آبدار
لائے ہیں نذر بے سر و سامانیوں میں ہم

○

(۳۸)

چاک دامن مجھے سینا ہو گا
اُن کا ایما ہے تو جینا ہو گا

کس قدر تلخ ہے زہر آب حیات
وہ پلائیں گے تو پینا ہو گا

دے مئے لعل کہ آخر ساقی
عشق میں خون پسینا ہو گا

غمِ دوراں کے خرابوں میں کہیں
غمِ جاناں کا دفینہ ہوگا

کون دے گا تمہیں الزامِ جفا
اس قدر کون کمینہ ہوگا

ناخدا کے جو بھی لچھن ہیں
غرق ساحل پہ سفینہ ہوگا

صبح سے بھیڑ ہے میخانوں میں
رمضاں کا یہ مہینہ ہوگا

کیسی بے نور ہیں میری آنکھیں
کیسا روشن مرا سینہ ہوگا

دل کے ویرانے بھی کام آئیں گے
کسی گوشے میں خزینہ ہوگا

جس نے مانگی مرے جینے کی دعا
اس کے دل میں ابھی کینہ ہوگا

ہم بھلا ہاتھ سے دل دیتے تھے
کسی جلّاد نے چھینا ہوگا

لفظ ہوگا جو غزل میں عابدؔ
وہ انگوٹھی میں نگینہ ہوگا

○

(۳۹)

صبح تک رقص کناں بنتِ عنب دیکھیں گے
آج وہ طرفہ تماشا ہے کہ سب دیکھیں گے

غمِ جاناں کے اشاروں کا تقاضہ ہے یہی
غمِ دوراں نہیں دیکھا تھا تو اب دیکھیں گے

ہمدمو باغ میں ہر سال بہار آئے گی
اب نہیں دیکھنے پائیں گے تو جب دیکھیں گے

سب ہمیں آئینۂ حُسن بتاں کہتے ہیں
دیکھنا یہ ہے کہ اس سمت وہ کب دیکھیں گے

یوں نہ دیکھیں گے وہ ہم نغمہ گروں کی جانب
سازِ میں تیغ کی جھنکار ہو جب دیکھیں گے

رات کو جشن چراغاں ہیں مگر پروانے
دن گذاریں گے تو ہنگامۂ شب دیکھیں گے

رکھ دیا آج درِ یار پہ سر عابد نے
آج وہ طرفہ تماشہ ہے کہ سب دیکھیں گے

○

(۴۰)

اٹھا مینائے مے ساقی بڑے نازک مقام آئے
کہ رندِ بے نوا کو شہریاروں کے سلام آئے

مری صید افگنی کا ساز و ساماں کیا قیامت ہے
قبائے قیصر و تاجِ سکندر زیرِ دام آئے

شبِ غم بھی وہی شب ہے مگر کاٹے نہیں کٹتی
نہ ہنسنا میرے کام آئے نہ رونا میرے کام آئے

جفائے گردشِ دوراں کسی صورت نہیں رُکتی
اگر ایمائے چشمِ یار ہو گردش میں جام آئے

خوشا یہ عزت افزائی کہ خود مقتل میں بُلوایا
زہے یہ جلوہ فرمائی کہ خود بالائے بام آئے

○

(۴۱)

چُپ بھی ہے ناگوار دنیا کو
کون سنتا جو بات ہم کرتے

ضبطِ غم پر ہیں لوگ ہم سے خفا
کیا گزرتی جو عرضِ غم کرتے

کس نے سیکھی صنم گری کی ادا
مر گئے ہم صنم صنم کرتے

یہی حسرت رہی مدام کہ ہم
سر کسی آستاں پہ خم کرتے

میرے شکووں پہ اُس نے ہنس کے کہا
کس نے کی تھی وفا جو ہم کرتے

کچھ نئی ان سے رسم و راہ نہیں
مدّتیں ہو گئی ہیں غم کرتے

○

(۴۲)

بہاراں ہے فریبِ آشکارا ہم نہ کہتے تھے
نہ ڈھونڈو اس بہاراں کا سہارا ہم نہ کہتے تھے

نہ حکمِ تیز پروازی ، نہ اذنِ آشیاں بندی
نہ ہوگا اِس گلستاں میں گذارا ہم نہ کہتے تھے

بتاؤ اہلِ محفل ہو چکی ہنگامہ آرائی
تماشا دیکھتا ہے محفل آرا ہم نہ کہتے تھے

لہو کا گھونٹ پی کر بادہ آشاموں نے چُپ سادھی
کیا ہے چشمِ ساقی نے اشارا ہم نہ کہتے تھے

مئے عشرت کے متوالو یہی تقدیر دوراں ہے
تمہیں زہراب غم ہوگا گوارا ہم نہ کہتے تھے

نہ تو بندوں سے راضی ہے نہ بندے تجھ سے راضی ہیں
خدائی روگ ہے پروردگارا ہم نہ کہتے تھے

جنہیں دنیا جہنم تھی وہ کیا ڈرتے جہنم سے
ہمیں نے حشر کا میدان مارا ہم نہ کہتے تھے

○

(۴۳)

ہوائے تیز پر افشاں ہے دیکھئے کیا ہو
مرا چراغ فروزاں ہے دیکھئے کیا ہو

رواں ہے موجِ گُل و لالہ موجِ خوں کی طرح
چمن شہیدِ بہاراں ہے دیکھئے کیا ہو

کسی کی عشوہ گری سے بغیرِ فصل بہار
سبھی کا چاک گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

تمہیں خبر ہی نہیں اے طیورِ نغمہ سرا
یہی چمن بھی زنداں ہے دیکھئے کیا ہو

درازیٔ شبِ ہجراں سے مجھ کو خوف نہ تھا
کسی کی زلف پریشاں ہے دیکھئے کیا ہو

سبو اٹھا کہ یہ نازک مقام ہے ساقی
نہ اہرمن ہے نہ یزداں ہے دیکھئے کیا ہو

جہاں کشودِ نوا پر خزاں کے پہرے ہیں
وہیں بہار غزل خواں ہے دیکھئے کیا ہو

قلندری کے وہ جلوے نہ خسروی کے وہ ٹھاٹھ
نہ وہ گدا نہ وہ سلطاں ہے دیکھئے کیا ہو

ہمارے پاس ہے لے دے کر اک متاعِ نظر
ہمیں سے جلوہ گریزاں ہے دیکھئے کیا ہو

چبھا تھا پاؤں میں کانٹا اگر کہیں ہمدم
خلش قریبِ رگِ جاں ہے دیکھئے کیا ہو

یہی ہے دل سے شکایت کہ میرا محرمِ راز
مجھی سے دست و گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

ہمیں ہیں پیرِ مغاں کا فروں کے اے عابد
ہمیں کو دعویٰ ایماں ہے دیکھئے کیا ہو

○

(۴۴)

دل کو اس کا یقیں ہے کیا کیجے
میرے بس میں نہیں ہے کیا کیجے

زُلفِ پُرخم بغیر عطر و قبا
عنبریں عنبریں ہے کیا کیجے

لبِ لعلیں بدون حُسنِ کلام
شکّریں شکّریں ہے کیا کیجے

چشمِ جادو بوصف شوخیٔ ناز
سُرمگیں سُرمگیں ہے کیا کیجے

منزلیں اور بھی ہیں اَے دریار
اتنی ہمت نہیں ہے کیا کیجیے

کوئی دل کا نشاں نہیں باقی
درد اب تک وہیں ہے کیا کیجیے

اے بُتو، عاشقوں سے خلقِ خُدا
یوں بھی چیں بر جبیں ہے کیا کیجیے

کیسی مشکل ہے ناصحوں کی زباں
دل سمجھتا نہیں ہے کیا کیجیے

دلبری سنگدل ہے کیا کہیئے
عاشقی نازنیں ہے کیا کیجیے

تلخ کاموں کا حال کیا لکھیے
زہرِ غم انگبیں ہے کیا کیجے

لفظ ہیں سب خرابہ ہائے خیال
گنجِ معنی یہیں ہے کیا کیجے

اپنے خوں میں نہایئے کب تک
ہر گہر تہ نشیں ہے کیا کیجے

تار سب زندگی کے اُلجھے ہیں
ہم کہیں، دل کہیں ہے کیا کیجے

آج باوصفِ گریۂ پیہم
ہر نفس آتشیں ہے کیا کیجے

رات بھر چاندنی ڈسے گی مجھے
آج پھر چودھویں ہے کیا کیجے

نکتہ پیرا ہے آج ہی عابدؔ
آپ ہی نکتہ چیں ہے کیا کیجے

(۴۵)

وہ کسی پر جفا نہیں کرتے
اعتبارِ وفا نہیں کرتے

ایک ہم سے خفا ہے خلق خدا
لوگ دنیا میں کیا نہیں کرتے

اے نصیحت گرو خدا کے لئے
یوں نصیحت کیا نہیں کرتے

سر نہ کھاؤ کہ عشقِ لالہ رخاں
ہم نے کہہ جو دیا نہیں کرتے

سخت مشکل ہے دلبری دیکھیں
آپ کرتے ہیں یا نہیں کرتے

غمِ جاناں ہو یا غمِ دوراں
تیر ان کے خطا نہیں کرتے

مر بھی جائیں تو ہم سرِ محفل
ساقیا ساقیا نہیں کرتے

اے عزیزو تمہاری شرط نہیں
ہم تو اپنا کہا نہیں کرتے

دوست ہیں بے وفا مگر عابد
منہ سے ایسا کہا نہیں کرتے

(۴۶)

گلزار دیکھے صحرا کھنگالے
ہاتھوں میں ساغر پاؤں میں چھالے

دنیا میں اپنی صبحیں نہ شامیں
دل کے اندھیرے دل کے اُجالے

کچھ دل لگی ہے یہ زندگی ہے
یا بادہ پی لے یا زہر کھالے

دنیا کی باتیں کب تک سہیں گے
کب تک رہیں گے دل کو سنبھالے

اے سنگِ طفلاں ہم اہلِ دل ہیں
مانند بینا نازوں کے پالے

مے خوارہ ساقی قطرے کو ترسیں
برسیں چھما چھم ساون کے جھالے

چھاگل رِبنا ہے، کیا چال چھم چھم
کاجل رِبنا ہیں، کیا نین کالے

مکھڑے کی لو سے تپتے ہیں گہنے
ماتھے کا جھومر کانوں کے بالے

فصلِ بہاراں گویا دلہن ہے
پھولوں کا آنچل مکھڑے پہ ڈالے

وحشت کے دِن ہیں فرقت کی راتیں
ڈستے ہیں مجھ کو یہ کوڑیالے

کیوں ان سے عابدؔ آنکھیں لڑائیں
کیوں دُکھ خریدے کیوں روگ پالے

○

(۴۷)

گُل کی خونیں جگری یاد آئی
پھر نسیمِ سحری یاد آئی

آج فرمانِ رہائی پہنچا
آج بے بال و پری یاد آئی

جب جھکایا درِ محبوب پہ سر
پاؤں کو دربدری یاد آئی

دشمن آباد رہیں جن کے طفیل
اپنی عالی گہری یاد آئی

جب کسی نے مری آنکھیں سی دیں
تب مجھے دیدہ وری یاد آئی

ساز جب ٹوٹ گئے ہم نفسو
اب تمہیں نغمہ گری یاد آئی

کبھی روشن جو ہوئی شمع بہار
باغ کی بے بصری یاد آئی

آشنا سا نظر آیا رہزن
آپ کی راہبری یاد آئی

پھر دہکنے لگے انگارے سے
دل میں کیا زہر بھری یاد آئی

بات ناصح کی نہ آئی کوئی یاد
بات کی بے اثری یاد آئی

کم نہ تھے گردشِ دوراں کے گلے
کیوں تری کم نظری یاد آئی

پہلے معلوم نہ تھا دل کا مقام
اب تمہیں شیشہ گری یاد آئی

آج اربابِ خرد کو عابدؔ
میری شوریدہ سری یاد آئی

○

(۴۸)

کچھ خاکِ رہگذار تھے کچھ داغدار تھے
میرے چمن کے پھول شہیدِ بہار تھے

منزل کڑی تھی پیشِ نظر اور ہم سفر
خوش تھے کہ زیرِ سایۂ دیوارِ یار تھے

ایسا ہی تھا چشمِ دل آویزِ یار کا
ہم رمز خوانِ گردشِ لیل و نہار تھے

ڈرتے نہ تھے درازیٔ شامِ فراق سے
ہم رازدارِ سلسلۂ زلفِ یار تھے

ہم جانتے تھے خونِ شہیداں کا ماجرا
ہم نکتہ دانِ غازۂ روئے نگار تھے

پھولوں سے ہمکلام تھے کانٹوں کے ہمزباں
دیکھو ہمیں کہ محرمِ فصلِ بہار تھے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ اڑتی تھی دل میں خاک
پھر بھی یہاں نشانِ کفِ پائے یار تھے

کرتا ہے اختیار غمِ یار بھی یہ رُوپ
ہم شاد تھے کہ رہنِ غمِ روزگار تھے

امسال موجِ گُل ہی نہ تھی زینتِ چمن
سیلابِ خُوں بھی غازۂ روئے بہار تھے

آیا کوئی چمن میں سنہری قفس لئے
کچھ نغمہ گر طیور، سرِ شاخسار تھے

ہم وحشیوں نے صحنِ گلستاں سے لے خزاں
تنکے بھی چُن لیے کہ شریکِ بہار تھے

عابدؔ ذلیل و خوار تھی رسمِ نواگری
نغمے ہمیں بھی نوکِ زباں بے شمار تھے

○

(۴۹)

زہراب ہو عطا کہ مئے لالہ گوں ملے
ساقی کسی طرح مرے دل کو سکوں ملے

ہم لوگ ہیں زمیں کی زینت وگرنہ یوں
جھک کر زمیں سے فلکِ نیلگوں ملے

جن کے متاعِ عقل پہ دنیا کو ناز تھا
وہ بھی فریب خوردۂ دنیائے دُوں ملے

دانشوروں کو دشت میں دیکھا گریزپا
اہلِ جنوں شناورِ دریائے خوں ملے

اے ہم سفر بہار کی منزل قریب ہے
ہر سمت آج راہ میں سیلابِ خوں ملے

اب غم کو رنج ہے کہ وہ دیوانہ ہو گیا
ایسا ہی تھا تو عابدِ وحشی سے کیوں ملے

○

(۵۰)

نیند میری اُچٹ گئی کل رات
کن خیالوں میں کٹ گئی کل رات

صحن گلزار میں نسیمِ بہار
بُوئے گل سے لپٹ گئی کل رات

ہنس رہی ہے کلی کلی کہ ہوا
سارے گھونگٹ الٹ گئی کل رات

شبِ ہجرانِ یار کی بدلی
کس نزاکت سے چھٹ گئی کل رات

ان کے گیسوئے عنبریں کے طفیل
کس تکلف سے کٹ گئی کل رات

سوچتا تھا کہ وقت کی رفتار
اپنے محور سے ہٹ گئی کل رات

اب سنا ہے کہ گردشِ دوراں
دبے پاؤں پلٹ گئی کل رات

ایک دنیائے رنگ و رامش و نور
میرے دل میں سمٹ گئی کل رات

بڑھ گیا ذوقِ زندگی عابد
عمر کچھ اور گھٹ گئی کل رات

(۵۱)

آج صحنِ چمن قفس ہے مجھے
دمِ شمشیر ہر نفس ہے مجھے

تجھے سارے چمن کی فکر نہیں
ایک گُل خون ہو تو بس ہے مجھے

خوش نواؤں کا حال روشن ہے
خوشنوائی میں پیش وپس ہے مجھے

غایتِ کار کا پتہ ہی نہیں
مہلتِ کار یک نفس ہے مجھے

چُپ کرو بُلبلو خدا کے لئے
اِک نوائے بہار بس ہے مجھے

لاکھ ہوں میں شہیدِ لالہ و گُل
پھر بھی پروائے خار و خس ہے مجھے

میں نے جی بھر کے جی لیا عابدؔ
ساعتِ شوق سو برس ہے مجھے

○

(۵۲)

نغمہ بیرا ہوں خوشنوا تو سہی
حشر ہو ناگہاں بپا تو سہی

باوجودِ شکستِ دل ظالم
دل سے نکلے وہی صدا تو سہی

جلوہ گر ہو رخِ نگارِ سحر
تیری زلفیں ہوں نارسا تو سہی

صبحِ روشن کی شاہراہوں پر
شبِ غم ہو گریز پا تو سہی

جس نے ساقی لہو کے گھونٹ پیے
وہی لے تجھ سے خوں بہا تو سہی

پیچ در پیچ پردہ در پردہ
یوں بھی ہو عرضِ مدّعا تو سہی

سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے تم
ہمدمو ہم نے کچھ کہا تو سہی

پھول سا نرم پھول سا ہلکا
غمِ دوراں کبھی اٹھا تو سہی

غمِ جاناں کی آنچ ٹھنڈی ہے
کوئی سینے پہ داغ کھا تو سہی

بلبلوں کو نہیں ہے اذنِ کلام
پھول خود ہوں غزل سرا تو سہی

اس قدر آندھیوں سے کیا ڈرنا
تو چراغِ جنوں جلا تو سہی

طائرِ سست بال پو پھوٹی
تو سرِ شاخسار جا تو سہی

ہمہ تن گوش ہے چمن کی فضا
نغمہ گر کوئی گیت گا تو سہی

آگے اپنے نصیب ہیں عابدؔ
میں درِ یار تک گیا تو سہی

○

(۵۳)

مے ہو ساغر میں کہ خوں، رات گزر جائے گی
دل کو غم ہو کہ سکوں رات گزر جائے گی

نہ رُکا ہے نہ رُکے قافلۂ لیل و نہار
درد کم ہو کہ فزوں رات گزر جائے گی

میں ترا محرمِ اسرار ہوں اے صبحِ بہار!
جا کے پھولوں سے کہوں رات گزر جائے گی

لاکھ بل کھا کے پریشاں ہو تری زلفِ رسا
نہ چلے گا یہ فسوں رات گزر جائے گی

دیکھنا یہ ہے کہ اندازِ سحر کیا ہوں گے
یوں تو اربابِ جنوں رات گزر جائے گی

رات بھر ہم نے سجائے سرِ مژگاں تارے
مجھ کو تھا وہم کہ یوں رات گزر جائے گی

صبح اُٹھ کر تجھے رہرو سے نپٹنا ہوگا
رہبرِ تیرہ دروں رات گزر جائے گا

مژدۂ صبح مبارک تجھے اے دیدہ ور!
میں جیوں یا نہ جیوں، رات گزر جائے گی

دن مقدّرِ چمنستاں کا ہے دن تو ہو گا
رات ہے خوار و زبوں رات گزر جائے گی

اہلِ ظلمت کے یہ احکام ہیں مجھ کو عابدؔ
منہ سے یہ بھی نہ کہوں رات گزر جائے گی

○

(۵۴)

دیکھتے ہو مرے اشعار ہیں صاحب نظراں
وصفِ خوباں کا تماشا بہ حدیثِ دگراں

اس کے ریزوں کی چبھن ہے مجھے سامانِ نشاط
وہ جو شیشہ مرے پہلو میں تھا اے شیشہ گراں

کوئی بتلاؤ مجھے پھاند کے دیوارِ چمن
آج کس سمت گیا نالۂ خونیں جگراں

آستیں میں رسن و دار نہاں رکھتے ہیں
وہ جو اس دور کے منصور ہیں اے دیدہ وراں

یہی مسکن یہی گلشن یہی زنداں ہے انہیں
تیری محفل سے کہاں جائیں گے آشفتہ سراں

ایک ہیں آبلہ پا دشتِ بلا سے گزرا
ہار کے بیٹھ گیا قافلۂ ہم سفراں

پسِ دیوار سمٹتے ہوئے سائے ہیں گواہ
ابھی آئے گا یہاں نور کا سیلِ گزراں

کس فسوں ساز نے جادو مری آنکھوں پہ کیا
نظر آتا ہے سرِ دار سرِ تاجوراں

کب اترتا ہے یہاں قافلۂ فصلِ بہار
دیر سے باغ میں ہے دیدۂ نرگس نگراں

عمر کاٹی درِ ساقی پہ بلا نوشوں نے
گوشۂ دل میں لیے دردِ جہانِ گزراں

سب ہیں محفل میں کہ عابدؔ کو غزل خواں دیکھیں
دلبراں، گلبدناں، نغمہ گراں، دیدہ وراں

○

(۵۵)

خوں فشاں دستِ صبا دیکھا ہے

میں نے کل باغ میں کیا دیکھا ہے

تم نے دیکھا ہے جو اے دیدہ ور

میں نے کچھ اس کے سوا دیکھا ہے

ہر سخن ور نے سرِ دشتِ خیال

میرا نقشِ کفِ پا دیکھا ہے

دور ہے گھر ابھی ویرانی کا

ابھی امید نے کیا دیکھا ہے

اے سرِ خار کہاں ہے عابدؔ

کہیں وہ آبلہ پا دیکھا ہے؟

○

(۵۶)

موجِ صرصر ہو پرافشاں تو خطا میری ہے
ان کے گیسو ہوں پریشاں تو خطا میری ہے

اہرمن انجمن آرا ہے تو ہے میرا قصور
برسرِ قہر ہو یزداں تو خطا میری ہے

لالہ وگل کو یہاں اذنِ شگفتن بھی نہیں
چاک ہے میرا گریباں تو خطا میری ہے

نہ یہاں ذوقِ تماشا نہ یہاں اذنِ کلام
میں چمن میں ہوں غزل خواں تو خطا میری ہے

مجھ سے یوں قیصر و فغفور خفا ہیں گویا
نہ رُکے گردشِ دوراں تو خطا میری ہے

دل میں نشتر وہ چبھوئیں تو نہیں ان کا قصور
خوں رواں ہو سرِ مژگاں تو خطا میری ہے

شام سے صبح کا تارا ہے فروزاں عابدؔ
نہیں کٹتی شبِ ہجراں تو خطا میری ہے

(۵۷)

تیشہ پیوست جگر ہے ساقی
ہوسِ عرضِ ہنر ہے ساقی

اہرمن یار نہ یزداں محرم
یہی تقدیر بشر ہے ساقی

گیسوئے یار ہیں گو شاملِ کار
.ہر شبِ غم کی سحر ہے ساقی

زندگی آنچ ہے انگاروں کی
عاشقی رقص شرر ہے ساقی

میری قسمت ہے کہ خاکِ درِ یار
سرمۂ مفتِ نظر ہے ساقی

مے نہیں چارۂ حرماں کہ مجھے
غم بہ اسلوبِ دگر ہے ساقی

مے کشو ، نغمہ گرو ، دیدہ ورو
کوئی بتلاؤ کدھر ہے ساقی

جانتا ہوں کہ بہ فرمانِ قضا
درد بھی شاملِ سر ہے ساقی

جگمگاتا ہے شبستانِ خیال
نقشِ غم آئینہ گر ہے ساقی

مانتا ہوں کہ تہی دست ہوں میں
آنکھ میں سنگِ گہر ہے ساقی

آج تقریر سُنی ناصح کی
ہر سخن بیہدہ تر ہے ساقی

کچھ تکلف مجھے تلچھٹ میں نہیں
مے کدہ تو میرا گھر ہے ساقی

رند ہیں نیند کے ماتے افسوس
جامِ مے گرم سفر ہے ساقی

○

(۸۵)

ہم بنِ غمِ یار بھی جئے ہیں
مرنے کے بڑے جتن کئے ہیں

تم سے بھی چھپا کے ہم نے رکھے
کچھ چاک جو عمر بھر سئے ہیں

مخفی ہیں تجھ سے بھی غمِ یار
کچھ وار جو دل نے سہہ لئے ہیں

کچھ خونِ وفا سے کچھ حنا سے
کیا رنگِ بہار نے لئے ہیں

جلتی ہے میرے دل میں قندیل
بجھتے ہوئے آنکھ کے دیئے ہیں

افسوس ہماری سخت جانی
احباب نے بھی گلے کیے ہیں

گلشن میں عجب ہوا چلی ہے
پھولوں نے ہونٹ سی لیے ہیں

کہتے تھے ہم اس کو جان اپنی
اور اس کے بغیر بھی جیے ہیں

دلِ باختگی و شعر خوانی
دو کام تو عمر بھر کیے ہیں

دیکھے ہیں بہت بہار کے رنگ

یہ ساغرِ خوں بہت پیے ہیں

جینے کا عذاب ہم سے پوچھو

اچھّے رہے وہ جو مر لیے ہیں

○

یک نیستاں نالہ

نظمیں، مسلسل غزلیں، رباعیات

تقاریب

(۱)

عیدِ میلادالنبیؐ

آج وہ دن ہے کہ رفعِ سحرِ ظلمت کے لئے
پردۂ اسرار سے نکلے نجومِ تاب ناک

آج وہ دن ہے کہ یزداں کے فرامینِ جلال
اس پہ شاہد ہیں کہ اُمتِ اہرمن کی ہو ہلاک

آج وہ دن ہے کہ سلطانوں کی بزمِ ناز میں
سازِ عشرت سے نکلتی ہے نوائے شعلہ ناک

آج وہ دن ہے کہ انسانوں کو دکھلایا گیا
تختِ کسریٰ سرنگوں دامانِ قیصر چاک چاک

آج وہ دن ہے کہ بزمِ قدس کی مشعل ہے تو
اے زمینِ تیرہ و تاریک اے دامانِ خاک

آج وہ دن ہے کہ اک انساں ہیں دیکھے گئے
چشمِ بینا نطقِ زیبا جانِ روشن رُوحِ پاک

آج وہ دن ہے کہ احمدؐ سے ہوا نوریں جہاں
جس کی ملّت نے کیا روشن چراغِ بزمِ خاک

یہ وہ ملت ہے کہ پھینکے گی ستاروں پہ کمند
ہوشیار اے ماہِ پرویں اے عطارد اے سماک

○

قندیلِ آرزو

۱۱۔ستمبر ۱۹۴۹ء

گہنا گیا وہ چاند مگر اس کے نور سے
دیوار و درِ وطن کے ہیں تاباں اسی طرح

مُرجھا گیا وہ پھول مگر اس کے رنگ سے
قوسِ قزح ہے صحنِ گلستان اسی طرح

چُپ ہو گیا وہ ساز مگر اس کے سوز سے
نغمے ہیں وادیوں میں پرافشاں اسی طرح

لہرا چکی وہ برق مگر اس کی تاب سے
قندیلِ آرزو ہے فروزاں اسی طرح

وہ نقش مٹ گیا، مگر اس کے طلسم سے
ذرّوں میں زندگی ہے غزل خواں اسی طرح

وہ شمع بجھ گئی مگر اس کے فروغ سے
بزمِ وطن ہے بزمِ چراغاں اِسی طرح

پرکھو تو اس کی طبع سخن ساز کا کمال
ہیں سب حریف سر بگریباں اسی طرح

دیکھو تو اس کے کوکب اقبال کا عُروج
سہمی ہوئی ہے گردش دوراں اسی طرح

بالیدہ ہے زمینِ وطن کی نمو میں وُہ
مضطر ہے مثلِ شعلہ ہمارے لہو میں وہ

داستانِ حرم

عیدِ قربان ۱۹۴۸ء

گیا وہ دَور کہ زنجیرِ نطق تھے اغیار
گیا وہ دور کہ کھلتی نہ تھی زبانِ حَرَم

نجوم و شمس و قمر کے صنمکدوں سے پرے
رواں ہے آنسوئے افلاک کاروانِ حَرَم

نئے ثوابت و سیّار ڈھل رہے ہیں یہاں
مثالِ شعلہ فروزاں ہے کہکشانِ حرم

ہمارے ہاتھ میں ہے اب وہ تیغ جوہر دار
غلاف میں بھی رہی ہے جو پاسبانِ حرم

پہنچ رہا ہے غبارِ زمیں ثریا تک
گواہی دیتے ہیں اس پر مسافرانِ حرم

عجیب لوگ ہیں ہم کشتگانِ مسلکِ ناز
نہ رہروانِ تمنّا نہ زائرانِ حرم

رواں ہیں جانبِ مقتل کہ ہم ہیں صیدِ وفا
حصارِ امن ہیں بیٹھیں کبوترانِ حرم

کہاں سے لاؤں زباں شرحِ مدّعا کیلئے
"غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ"

"اقبالؒ"

جب خزاں تھی پتّے پتّے کے لئے پیغامِ موت
تجھ کو وہ ہنگامہ اَے فصلِ بہاراں یاد ہے

جب فضائیں شعلہ پرور تھیں ہوائیں دردناک
تجھ کو وہ منظر بھی اے صحنِ گلستاں یاد ہے

سینۂ گیتی پہ لہراتے تھے جب ظلمت کے سانپ
کچھ تجھے وہ ماجرا اے صبحِ خنداں یاد ہے

جب مری دُنیا میں تجھ کو اذنِ تابانی نہ تھا
تجھ کو وہ اندھیرا اے مہرِ درخشاں یاد ہے

جب بجھے جاتے تھے سینے میں امیدوں کے چراغ
وہ جو اک قندیل تھی تنہا فروزاں یاد ہے

جب لبوں پر ہیبتِ اغیار تھی مُہرِ سکوت
وہ جو تھا بیباک و بے پروا غزل خواں یاد ہے

خوف سلطانی سے جم جاتا تھا جب دل میں لہو
فاش کرتا تھا جو رازِ میر و سلطاں یاد ہے

مہر و مہ ڈھلتے تھے جس کی کارگاہِ فکر میں
وہ قلندر تجھ کو اے گردونِ گرداں یاد ہے

اے وطن کی سرزمیں اے مرکزِ ایمان و دیں
تجھ کو وہ ناموسِ ملت کا نگہباں یاد ہے

اے زمینِ پاک، اے لاہور، اے ارضِ قدیم
تجھ کو اپنے آسماں کا مہرِ تاباں یاد ہے

سجدہ گاہِ عاشقاں اے مسجدِ اورنگ زیب
تیرا ہمسایہ ہے اک مردِ مسلماں یاد ہے

اے ملوکیت! تجھے با وصفِ صد جاہ و جلال
وہ جو اک نشتر تھا پیوستِ رگِ جاں یاد ہے

○

بہاریہ

(۱)

بہار

لالۂ رنگیں سے روشن ہے شبستانِ بہار
لالۂ رنگیں کہ ہے شمعِ فروزانِ بہار

اس تکلّف اس لطافت سے چلی بادِ نسیم
نغمہ پیرا ہو گئی اِک موجِ رقصانِ بہار

نیلوفر، نیلم ہے گویا، موتیا الماس ہے
کیا مرصّع ہے جواہر سے گریبانِ بہار

○

(۲)

شامِ بہار

ضوفشاں ہے فلک پہ ماہِ مُبیں　　چاندنی سے چمک اٹھی ہے زمیں
ہو گئی ہے ہر ایک شے سیمیں　　تابشِ نور کا جواب نہیں

خاک پر سر بسر ہے بارشِ نور
تا بہ حدِ نظر ہے بارشِ نور

غرق ہیں نور میں جو دشت و دمن　　پھول مثلِ چراغ ہیں روشن
صحنِ فردوس ہے زمینِ چمن　　گلفشاں ہے نگاہ کا دامن

لہلہاتے ہیں سبز پوش درخت
ہو گئے ہیں شراب نوش درخت

○

(۳۰)

بہار اور عشق

گُلاب کی شگفتگی سے زینتِ بہار ہے
ہوا کی نگہتوں سے کائنات مشکبار ہے
چمن میں ایک سیلِ رنگ و نور بے قرار ہے
فروغِ ماہتاب سے نگاہ زرنگار ہے
نگاہِ زرنگار ہے فروغِ ماہتاب سے

ہجوم لالہ و سمن سے باغ جلوہ خیز ہے
لطافتِ نسیم سے شمیم عطر بیز ہے
نوائے اہلِ درد سے فضا سرود ریز ہے
فسانۂ شباب سے شراب نغمہ تیز ہے
شرابِ نغمہ تیز ہے فسانۂ شباب سے

لطافتوں کے جوش میں ہے عشق سرنگونِ غم
بلائے اضطراب دل مصیبتِ جنونِ غم
نشاطِ زار زندگی پہ چھا گیا فسونِ غم
بہار کے رباب سے ٹپک رہا ہے خونِ غم

ٹپک رہا ہے خونِ غم بہار کے رباب سے

○

(۴)

بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

فروغِ ماہ سے کیا جگمگا رہی ہے بہار
گلوں میں نور کی شمعیں جلا رہی ہے بہار

زمینِ باغ کو جنت بنا رہی ہے بہار
شرابِ حسن کے ساغر پلا رہی ہے بہار

بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

چمن بہشت ہے موجِ شراب زمزمِ کیف
برس رہی ہے گلِ مدّعا پہ شبنمِ کیف
یہی نشاط کے دن ہیں یہی ہے عالمِ کیف
کہ ذرّہ ذرّہ ہے بزمِ جہاں کا محرمِ کیف
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

○

فروغِ رنگ سے گلزار شعلہ زار بھی ہیں
فضائیں حُسن کی نکہت سے مشکبار بھی ہیں
دلوں میں درد کے انداز بے قرار بھی ہیں
مسرتوں کے یہ دن جانِ روزگار بھی ہیں
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

ربابِ عشق میں لرزاں ہے اِک ترانۂ ناز
جمی ہوئی ہے ابھی محفلِ شبانۂ ناز

ابھی زبانِ محبّت پہ ہے فسانۂ ناز
یہ تجھ سے کون کہے اے نگار خانۂ ناز

بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

○

گئی بہار زبانوں پہ نام باقی ہے
خیال کی تپشِ ناتمام باقی ہے

مئے نشاط کا بس ایک جام باقی ہے
فروغِ ماہ کی بس ایک شام باقی ہے

بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

○

(۵)

بہاریہ

(۱)

بہار کی سحر کاریوں سے ہوا گلستاں تمام رنگیں
فروغ گلنار و یاسمن سے نگاہ روشن ہے شام رنگیں

وہ ساقیِ ماہتاب پیکر، وہ ہاتھ میں اس کے ساغرِ زر
نشاط پرور بہار منظر، گہر نما لالہ فام رنگیں

فضا میں ہے اک نوائے شیریں ہوا میں ہے اک صدائے سیمیں
کسی کا جلوہ ہے یہ نگاریں کہ ہیں در و دشت و بام رنگیں

چمن چمن بلبلیں نوازن بہار کے مطربانِ پُرفن
شباب ہے جانِ عشق روشن شراب ہے رُوحِ جامِ رنگیں

وہ بادہ نوشی وہ بت پرستی وہ حوصلوں کی دراز دستی
وہ بیخودی، وہ زمانِ مستی کہ صبح روشن تو شام رنگیں

(۲)

وہ غنچۂ باغِ نوجوانی ہے ایک تصویرِ شادمانی
نظر فسُوں گر خرام دلکش مزاج شیریں کلام رنگیں

ہوئے یہ انداز دیکھ کر غش تمام گلرو تمام مہوش
کسی کی شانِ جمال دلکش کسی کی طرزِ خرامِ رنگیں

غروب خورشید عالم آرا نے کاکلِ شام کو سنوارا
ہوا ہے گُلکاریٔ شفق سے وہ اشہبِ تیزگام رنگیں

کنارِ راوی پہ ہے چراغاں بنے ہیں دشمن پرستاں
بتانِ لاہور گل بداماں عقیق لب شاد کام رنگیں

اٹھاتے جا لطفِ زندگانی بہار ہے زندگی کی فانی
لکھا ہے فطرت نے برگہائے گلاب پر یہ پیام رنگیں

جمال تائیس کا ادا نیل کی حسین کافرہ کی عابد
پھر اس پہ سیفو کی خوش بیانی سے بڑھ کر اس کا کلام رنگیں

○

(۶)

شاہدرے کی ایک شامِ برشگال

وہ کالی کالی گھٹائیں وہ ہلکی ہلکی پھوار
وہ دُھن ملہار وہ دھیمے سُروں کی شیرینی
رچے ہوئے وہ ہواؤں میں کسی کے میٹھے بول
"بہار بیت گئی تم نے کیا خبر لینی"

روش یہ دُور وہ کیا مہ جبیں ہیں محوِ خرام
جو ڈھے رہے ہیں دلوں کو صلائے بے دینی
جھلک رہی ہے ادا سے شباب کی مستی
بھلا نقاب میں کیا چھپ سکے یہ رنگینی

وہ آنکھ اٹھا کے بھی دیکھیں تو آبشارِ حیا
وہ سر جھکا کے بھی آئیں تو رنگِ خود بینی

وہ چوڑیوں کی چھنک وہ کلائیوں کی چمک
وہ پیرہن سے نمایاں بدن کی رنگینی

ہتھیلیوں پہ وہ مہندی کے نقش مہتابی
وہ آنچلوں کے ستاروں میں شانِ پروینی

وہ ناخنوں کے نکیلے سروں کا خونیں رنگ
وہ نیم کاستہ زلفوں کی عطر آگینی

○

(۷)

بہار راگنی کا رُوپ

رُت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار
نئی کلیوں پہ نکھار
جس طرف جائے نظر پھول رہی ہے سرسوں
آون آون جو پیا کہہ گئے بیتے برسوں
کیا کرے کوئی سنگار
رُت نئی آئی نئے پھول، نئی بیل بہار
چھائی بدری کاری
جھولنے کے لئے آئی ہے برج کی ناری
تیکھی چتون کی رہی جیت کٹاری ہاری
آنکھ وُہ متواری

دیکھو جادُو کی طرح آنکھ میں جاگا کاجل
چمپئی رنگ کے سونے پہ سہاگا کاجل
دیکھ کاگا کاجل

آئی برج کی ناری گائے باری باری
چُوڑیاں ٹرک گئیں، چھوڑ دو موری بّیاں
رات سوتن کے رہے سانجھ بتا وسّیاں
میں پڑت ہوں پیّاں

رت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار
نئی کلیوں پہ نکھار
پاؤں بلّور کے ٹکڑے ہیں کہ سچّے ہیرے
گوری گاگر نہ چھلک جائے چلو تم دھیرے
جو نظر لاگی رہے!
رُت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار
نئی کلیوں پہ نکھار
جس طرف جائے نظر پھول رہی ہے سرسوں

کیفیت بہ نسبتِ رنگ

(۱)

آسماں پر انجمن تاروں کی ہے دُنیائے رنگ
ساغرِ مہتاب ہیں بیتاب ہے صہبائے رنگ

ان کا چہرہ ہے کہ رقصِ نُور ہے بالائے نور
ان کا جلوہ ہے کہ موجِ رنگ ہے بالائے رنگ

اس تعلّق پہ بھی یہ فرقِ مراتب اے خدا
عشق ساغر زہر کا ہے حسن ہے مینائے رنگ

میرا عشقِ جاوداں ہے مسند آرائے جُنوں
تیرا حُسنِ گُل فشاں ہے انجمن آرائے رنگ

پھر حسینوں نے کیا زیبِ بدن رنگیں لباس
عالمِ ایجاد یکسر بن گیا پہنائے رنگ

ان کے جسمِ نازنیں کی زرنگاری کیا لکھوں
زینت آرائے دیارِ ناز نور افزائے رنگ

حُسن کے جلووں کی رعنائی بہشتِ نار تھی
عشق میں نظروں کی دُنیا بن گئی دنیائے رنگ

دیکھتا ہوں ذرّے ذرّے کو نقاب نور میں
میری آنکھوں پہ ہے عابدؔ پردۂ زیبائے رنگ

(۲)

آپ کا زرتار دامن کاروانِ رنگ ہے
لہرایا آنچل غبارِ کہکشانِ رنگ ہے

پاؤں پر نقشِ حنا ماتھے پہ ٹیکا صندلی
یہ زمینِ رنگ ہے وہ آسمانِ رنگ ہے

کیا تماشا ہے کہ نغموں پر ہے دھوکا نور کا
کیا تماشا ہے کہ نکہت پر گمانِ رنگ ہے

داستانِ رنگ ہے صحنِ چمن میں کشتِ گل
بلبلوں کا شور شرحِ داستانِ رنگ ہے

نیلوفر، نیلم ہے گویا، موتیا الماس ہے
آج ہر جنسِ چمن، جنسِ دکانِ رنگ ہے

رنگ و نغمہ کے سوا ہے اور کیا عابدؔ کے پاس
راز دانِ نغمہ ہے افسانہ خوانِ رنگ ہے

(۳)

سبز رنگوں سے ہے تعمیرِ جمال
رنگ کی لہر ہے زنجیرِ جمال

رنگ اے گلشنِ ہستی کے فروغ
رنگ، اے خالقِ تقدیرِ جمال

رنگ ہوتا ہے رُخ آرائے بہا
رنگ رہتا ہے عناں گیرِ جمال
رنگ ہے غازۂ رُخسار نگار
رنگ ہے پیکرِ تصویرِ جمال

رنگ روشن ہے بہ رعنائی ناز
رنگ رقصاں ہے بہ تاثیرِ جمال
رنگ کے لوچ میں ہے راگ کا لوچ
رنگ ہے موجبِ تشہیرِ جمال

سبز رنگوں کی مہک آتی ہے
رُخِ مستی پہ چمک آتی ہے

○

سراپا

(۱)

اسی سے جادوئے بابل کی شمع روشن تھی
جو رنگِ ناز تری چشم نیمخواب میں ہے
بنے تھے جس کی لطافت سے جسم پریوں کے
اسی بہار کی خوشبو ترے شباب میں ہے

(۲)

فروغِ مہتاب اک فسانہ ہے اسکے رخسارِ آتشیں کا
بہارِ فردوس اک ترانہ ہے اس کی رنگینیٔ جبیں کا

یہ تابشیں جسمِ مرمریں کی یہ رنگ ملبوسِ ریشمیں کا
شرارہ ہے آتشِ وفا کا ستارہ ہے عرشِ ہفتمیں کا

یہ گیسوئے مشکبار اس کا یہ جلوۂ زرنگار اس کا
بسا ہوا ہے شباب جس میں تمام گلہائے نازنیں کا

یہ اور بھی پَر لگے ہوئے ہیں نگاہ کے تیرِ دلنشیں کو
لرز رہا ہے شرابِ غم سے جو میکدہ چشمِ سرگیں کا

جبیں کی رنگینیوں پہ سائے غمِ محبت کے چھا گئے ہیں
ہٹیں جو یہ بادلوں کے ٹکڑے چمک اٹھے چاند چودھویں کا

(۳)

پھر وُہی جلوۂ انوار فشاں دیکھا ہے
پھر اسی حسن کے دریا کو رواں دیکھا ہے

مُڑ کے دیکھا ہے جو اس ماہ لقا نے مجھ کو
یاد آئے ہیں محبت کے فسانے مجھ کو

کیا نشیلی تھیں نگاہیں کہ صنم خانۂ ناز
کیا اشاروں میں بیاں کرتی تھیں افسانۂ ناز

نغمہ پرداز وہ رفتار وہ تیکھی چتوَن
دل کے سب تار لرزنے لگے چھن چھن چھن چھن

وہ تبسم کی لطافت کہ الہٰی توبہ!
وہ اشاروں کی نزاکت کہ الہٰی توبہ!

پاس وہ آئیں تو جنت کی ہوائیں آئیں
کان میں دل کے دھڑکنے کی صدائیں آئیں

(۴۰)

آنکھ اس فتنۂ دوراں سے لڑی کیا کہنا
آج تقدیر مری جاگ پڑی کیا کہنا

تری زلفیں ہیں کہ ساون کی گھٹائیں توبہ
تیرا قامت ہے کہ پھولوں کی چھڑی کیا کہنا

ہونٹ ترشے ہوئے یاقوت کے رنگیں ٹکڑے
دانت ہنستے ہوئے ہیروں کی لڑی کیا کہنا

وہ تبسم وہ جھپکتی ہوئی پلکیں عابد
دل میں ابتک ہے وہی پھانس گڑی کیا کہنا

(۵)

سرِ رخسار مژگاں گو ہرِ افشاں پھر بھی دیکھوں گا
دمِ گفتار آویزوں کو لرزاں پھر بھی دیکھوں گا

کسی کے ہاتھ میں پھولوں کے گجرے پھر بھی مہکیں گے
کسی کے پاؤں میں کفشِ زر افشاں پھر بھی دیکھوں گا

کسی کے ریشمیں آنچل میں جگنو پھر بھی چمکیں گے
کسی کے صندلی ماتھے پہ افشاں پھر بھی دیکھوں گا

وہ گردن موڑ کے جوڑے کی زیبائی دکھائیں گے
ڈروں گا پر یہ مارِ عنبر افشاں پھر بھی دیکھوں گا

ہنسے گا اوٹ میں آنچل کی ان کا چاند سا چہرا
یہ تصویر چراغِ زیرِ داماں پھر بھی دیکھوں گا

حریرِ سبز کا جوڑا وہ پھولوں میں بسائیں گی
بہاراں پھر بھی دیکھوں گا پرستاں پھر بھی دیکھوں گا

گھنیری زُلف کی چھاؤں میں نیند آ رہی گی عابدؔ کو
یہ منظر یہ فضائے شامِ ہجراں پھر بھی دیکھوں گا

(۶)

سُن تو اے سروِ سرکشیدۂ ناز — تیرے جلوے ہیں نور دیدۂ ناز
یہ ملاحت شکر فشانِ ادا — یہ صباحت نمک چشیدۂ ناز
کیا تکلّم ہے عکس ریزِ جمال — کیا تبسّم ہے آفریدۂ ناز
تیرا مضمونِ حُسن کیا کہیئے
سارے انداز خط کشیدۂ ناز

(۷)

آج پھر اس کو گلستاں میں خراماں دیکھا
رنگ کو رقص میں نکہت کو پرافشاں دیکھا

گوشۂ باغ میں اک مہرِ منوّر چمکا
اُفقِ ناز پہ اک ماہ درخشاں دیکھا

جس کی تابش سے کبھی بزمِ وفا روشن تھی
آج اس شمع کو محفل میں فروزاں دیکھا

پھر درِ دل پہ جنوں آ کے پکارا ہشیار
پھر وہی سلسلۂ زلفِ پریشاں دیکھا

جانے کیا دیکھ لیا آج کہ با سوز و گداز
ہم نے عابدؔ کو سرِ راہ غزل خواں دیکھا

(۸)

یہ زلف رسا ہے کہ سوادِ شبِ فردوس
یہ جلوۂ رخسار ہے یا مطلعِ انوار

یہ چشمِ فسوں کار ہے یا جادوئے بابل
یہ لعلِ فسوں ساز ہے یا مخزنِ اسرار

تو نغمۂ رقصاں ہے شبستاں بہ شبستاں
تو نکہت آوارہ ہے گلزار بہ گلزار

(۹)

قاسمِ انوار کا دیواں بیاضِ روئے دوست
رشکِ اشعارِ ہلالی مصرعِ ابروئے دوست

خُلد کی اک شامِ رنگیں گیسوئے خوشبوئے دوست
حسن کی اک صبحِ روشن عارضِ نیکوئے دوست

رشکِ سحر سامریستاں لعلِ افسوں سازِ یار
نکتہ جادوئے بابل، نرگسِ جادوئے دوست

سُرخی خونِ شہیداں غازہ روئے نگار
حاصلِ فصلِ بہاراں دامنِ خوشبوئے دوست

اعتبارِ مشکِ اذفر زُلفِ مشکینِ حبیب
گلبنِ گلزارِ جنت قامتِ دلجوئے دوست

اس طرف جلتی ہے طاقِ عرش میں قندیلِ ماہ
اس طرف روشن ہے روئے دوست سے مشکوئے دوست

اس طرف ہاروں کے خوشے زیبِ بزمِ آسماں
اس طرف پھولوں کے گجرے زینتِ پہلوئے دوست

اس طرف افسانہ خواں ہیں عندلیبانِ بہار
اس طرف ہم داستاں ہیں مطربانِ کوئے دوست

○

شالامار باغ کشمیر

(شام کے وقت)

چھپ گیا دامانِ مغرب میں نگارِ آفتاب
بجھ گیا طوفانِ ظلمت میں شرارِ آفتاب
اشہبِ نوریں سے اترا شہسوارِ آفتاب

ساغرِ خورشید سے چھلکی شرابِ لالہ فام
گیسوؤں کو آگئی کھولے ہوئے لیلائے شام
جس کی محفل میں ستارے رقص کرتے ہیں دوام

آسماں سے دیوِ ظلمت نے بڑھائے اپنے ہات
نوچ ڈالا اپنے چنگل سے لباسِ کائنات
یہ شفق کی احمریں موجیں ہیں یا خونِ حیات

دیکھ کر تاریکیاں ہوتا ہے دل کو اضطراب
سرو کے سائے میں لہراتی ہے یوں شاخِ گلاب
جس طرح غصّے میں ناگن کھا رہی ہو پیچ و تاب

ذرّہ ذرّہ اس گلستاں کا شبستاں زاد ہے
موت کے سایوں میں یہ رنگیں چمن آباد ہے
ہر گلِ خنداں مجسّم اک لبِ فریاد ہے

کس نزاکت سے گُلوں پر پاؤں دھرتی ہے نسیم
سُن رہا ہوں میں کہ ٹھنڈے سانس بھرتی ہے نسیم
مرنے والوں کی دل آرائی پہ مرتی ہے نسیم

عظمتِ ماضی تو مٹ جائے رہے وہ ارجمند
اپنی رعنائی پہ نادم ہے یہاں سرو بلند
لالہ و گُل کی ہنسی کیا ہے مگر اک زہر خند

دیکھتا ہے دیر سے یہ منظرِ حیرت فروش
کوہسار برف پوش و سخت کوش و بے خروش
دیکھئے کب اس سکوں پرور کو آتا ہے جوش

○

اے دِل، اے دِل

(۱)

نہ کھا غمِ ہائے دوراں اے دل، اے دل
نہ ہو مایوس حرماں اے دل، اے دل
خدا تیرا نگہباں اے دل، اے دل

بہاریں زندگانی کی ہیں فانی
اٹھا کم بخت لطفِ زندگانی
زہے، ہے گل بداماں اے دل، اے دل

گلِ مہتاب کی روشن جبیں پر
چنبیلی کی ردائے ریشمیں پر
ہوا ہے گوہر افشاں اے دل اے دل

جوانی ہائے دیوانی جوانی
وہ کیفِ مے وہ ذوقِ شعر خوانی
وہ عشق فتنہ ساماں اے دل، اے دل

بلا سے ہو خفا وہ خوگرِ ناز!
بہت رنگیں ادا ہیں بر سرِ ناز
ہوئی یہ جنس ارزاں اے دل، اے دل

یہ ساغر زہر کا پینا پڑے گا
کہ مرنے کے لئے جینا پڑے گا
نہیں ہے موت آساں اے دل، اے دل

(۲)

اے دلِ افسردہ

اے دلِ افسردہ پینے کی بہاریں آگئیں
کالی کالی بدلیاں پھر آسماں پر چھا گئیں

دامنِ کہسار سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی
نبضِ خس میں زندگی کا خُون دوڑانے لگی

موتیے کے پھُول گلزاروں میں لہرانے لگے
لالہ و نسریں کے جلوے رنگ پر آنے لگے

ہے کنارِ آبِ دریا ماہ پاروں کا ہجوم
جس طرح شاداب راتوں میں ستاروں کا ہجوم

کالے کالے آنچلوں میں ان کے چہرے نور پاش
گہرے گہرے بادلوں میں بجلیوں کا ارتعاش

گلبدن، گُل پیرہن، مہتاب رُخ، ناز آفریں
دلرُبائی کی اداکاری میں اعجاز آفریں

کُچھ لگاوٹ کُچھ حیا کُچھ شوخیاں کُچھ اضطراب
اپنے سائے سے گریزاں اپنے سائے سے حجاب

دلبری کے سب طریقے سادگی کے رنگ ہیں
سادگی کے سب طریقے دلبری کے رنگ ہیں

اے دلِ افسردہ! اے کم بخت! اے حسرت نصیب
اے فریبِ حُسن کے پامال! اے فرقت نصیب

تُو ہے اور اس بیوفا کی بے وفائی کے گلے
بے وفائی کے گلے دردِ جُدائی کے گلے

ہر طرف اک عالمِ کیف و طرب چھایا ہوا
اور تو اے بد نصیبِ شوق! مرجھایا ہوا

کیسے کیسے مہ جبیں ہیں نور پیکر برق تاب
دلنوازی کے لیے بیتاب ہے جن کا شباب

ان حسینوں کے اشاراتِ محبّت دل فروز
جن کے جلوے دلربا ہیں جن کی طلعت دلفروز

دلبری کے کیسے کیسے نکتہ داں موجود ہیں
سجدہ کرنا ہو تو کتنے آستاں موجود ہیں

التجا

کسی ناشادِ غم کو شاد فرما   کسی بھولے ہوئے کو یاد فرما
کبھی حرفِ کرم ارشاد فرما

تمنّا کی منازل جاں گسل ہیں   محبت کی سلاسل جاں گسل ہیں
مجھے اس قید سے آزاد فرما

بہارِ حسن کی رنگینیوں سے   تبسّم کی حسیں شیریں لبوں سے
دیارِ شوق کو آباد فرما

عطا کر رخصتِ فریاد مجھ کو   تغافل سے نہ کر برباد مجھ کو
قتیلِ خنجرِ بیداد فرما

اِک شہر

بہارِ ناز کی محفل وہیں ہے　　فروغِ حسن کی منزل وہیں ہے
اگرچہ میں یہاں ہوں دل وہیں ہے

وہاں ایسے بھی ہیں کچھ ماہ پارے　　کہ شرما جائیں جن سے چاند تارے
زمیں ... میں آسماں شامل وہیں ہے

وہاں ذرّوں میں ہے رقصاں تمنّا　　وہاں پھولوں میں ہے لرزاں تمنّا
سکونِ جان و دل مشکل وہیں ہے

جنونِ عشق کو رُسوا کروں گا　　جیا تو میں وہاں جا کر مروں گا
کہ میری ناؤ کا ساحل وہیں ہے

○

ماضی

مہ پیکروں میں عمر بسر کر چکا ہوں میں
پابندیٔ مذاقِ نظر کر چکا ہوں میں

رخصت کے وقت دیکھ چکا ہوں بچشمِ تر
دامن میں جمع لعل و گہر کر چکا ہوں میں

شاداب کر چکا ہوں بہارِ نشاط کو
آغوش میں کسی کی سحر کر چکا ہوں میں

عشرت میں بن چکا ہوں صنم خانۂ نشاط
سینے کو غم کی راہ گذر کر چکا ہوں میں

تنویرِ جلوہ ہائے لبِ بام کے لئے
آوارگی بہ ذوقِ نظر کر چکا ہوں میں

تابشؔ کسی جگہ سے میسر نہیں ہوئی
عابد طوافِ برق و شرر کر چکا ہوں میں

دو ملاقاتیں اور وقت

"تھا اس کا دیکھنا ہی سراسر خلافِ عقل
کمبخت جا پڑی ہے ہماری نظر کہاں"

(۱)

بزمِ دل جلوہ گہہ کاہ کشاں ہے ہمدم
سوئے در چشمِ تمنا نگراں ہے ہمدم
اُن کے آنے کی خبر وردِ زباں ہے ہمدم

اس سے پہلے مری نظروں میں تھی دنیا تاریک
مہر و مہتاب تھے بے نور ثریا تاریک
آج پھر کون و مکاں، کون و مکاں ہے ہمدم

شوق ہے محو بہ آرائشِ گیسوئے وفا
ذرّے ذرّے سے مجھے آتی ہے خوشبوئے وفا
ذرّہ ذرّہ نفسِ مشک فشاں ہے ہمدم

پیہم آتی ہے جو کانوں میں صدائے ساقی
ہے اِدھر وجد میں محفل بہ صلائے ساقی
اور اُدھر شیشۂ مے رقص کناں ہے ہمدم

(۲)

دوسری ملاقات

"بے خبر از عشق واز آئینِ عشق
صعوۂ رد کردۂ شاہینِ عشق"

ہیں اگر مُہر بلب ہوں وہ جو لب ہے خاموش
کیا کروں عرضِ وفا سازِ وفا ہے خاموش
عشق پر نغمۂ بے سوز گراں ہے ہمدم

جس پہ مرتا تھا وہی حُسن جنوں خیز ہے یہ
وہی رُخسار وہی زلف دلآویز ہے یہ
کیا فسوں کاریٔ نیرنگ زماں ہے ہمدم

جلوۂ راز کی ہلکی سی جھلک باقی ہے
نکہتِ ناز کی پھیکی سی مہک باقی ہے
وہ طلسمات کی تصویر کہاں ہے ہمدم

گُلِ امید جو تھا زینت دامانِ خیال
افقِ دل پہ جو روشن تھی کبھی شمع جمال
وقت کے کونسے کُہرے میں نہاں ہے ہمدم

(۳)

اور وقت

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں"

وقت ہی غازۂ خوں ہے رُخ مستی کیلئے
وقت ہی تیغ رواں ہے رگِ ہستی کیلئے
وقت ہی مرہمِ غمِ گذراں ہے ہمدم

پھر تصوّر نے تراشا ہے نیا آج صنم
ہائے وہ لعل فسوں ساز وہ زلف برہم
آج پھر قافلۂ عشق رواں ہے ہمدم

کاش پھر دل کے اُفق پر وہ ستارا نکلے
کاش پھر وقت کے محمل سے وہ لیلا نکلے
دور ہو کر جو قریبِ رگ جاں ہے ہمدم

حُسن اتنے ہی پہ راضی ہو کہ مطلوبِ نیاز
عشق کی راہ کٹھن اس کا سفر دور دراز
عشق کی منزلِ مقصود کہاں ہے ہمدم

○

خودنگری

(۱)

اسیرِ علم و فن ہے عابدِ دیوانہ برسوں سے
بہت بے آب ہے یہ گوہرِ یکدانہ برسوں سے

دیارِ آرزو کے بام و در پر چپ مسلّط ہے
نہیں گونجا ہے میرا نعرۂ مستانہ برسوں سے

سوال اٹھتا ہے اکثر محفلوں میں نازنینوں کی
کہ میرا دل ہے کس کی شمع کا پروانہ برسوں سے

نہیں رکھتا سرِ شوریدہ اپنا آستانوں پر
نہیں سنتا حریمِ ناز کا افسانہ برسوں سے

مرے پرہیز سے ضد ہو گئی ہے مہ جبینوں کو
کہ شبخوں ہو رہے ہیں قلب پر ترکانہ برسوں سے

مرا ذوق نظر مصروف ہے کسبِ فضیلت میں
ترستا ہے نظر کو جلوۂ جانانہ برسوں سے

بہت مدت ہوئی نظریں نہیں اٹھتیں حسینوں پر
خفا ہیں مجھ سے یعنی نرگس و ریحانہ برسوں سے

صنم زارِ تصوّر میں تراشے نو بنو جلوے
مگر دیکھا نہیں جا کر درِ بت خانہ برسوں سے

میں اپنی آگ میں خود جل رہا ہوں دیر سے عابدؔ
نہیں کرتا طوافِ آتشِ بیگانہ برسوں سے

○

(۲)

عنادل کو نہیں ملتا مقامِ گفتگو برسوں
رہا ہوں بن چمن میں رازدارِ رنگ و بو برسوں

سنو اے ہمنشینو! چند کلیوں پر نہ اتراؤ
نہالِ علم کو میں نے پلایا ہے لہو برسوں

بنائے ہیں بگاڑے ہیں بہت نقشے محبت کے
اٹھائی ہے بچھائی ہے بساطِ آرزو برسوں

مرے ہاتھوں میں دُہرے دُہرے کالے ناگ کھیلے ہیں
مرے سینے پہ لہرائی ہے زلفِ مشکبو برسوں

نہیں رکھی جبیں عابدؔ کسی کے آستانے پر
دیارِ ناز میں پھرتا رہا ہوں کُو بکُو برسوں

(۳)

غزل کہتا ہوا پھر عابدؔ دیوانہ آ پہنچا
اٹھا ساقی سبو محفل سے خود میخانہ آ پہنچا

صدا آنے لگی سازِ محبت کے ترانوں کی
سُن اے افسانہ خواں! خود حاصل افسانہ آ پہنچا

کوئی کہہ دو یہ جا کر ماہ پیکر نازنینوں سے
چراغ دلبری روشن کرو، پروانہ آ پہنچا

چلو، اے ہمدمو پردے اٹھائیں بزم خوباں کے
دیارِ ناز میں پھر عشق بے باکانہ آ پہنچا

خرد سہمی ہوئی اک گوشۂ ویراں میں بیٹھی ہے
جنوں عابدؔ بہ شان و شوکتِ شاہانہ آ پہنچا

رباعیات

ساغر ہیں ہمارے بادۂ غم ہی سہی
امیدِ نشاطِ زندگی کم ہی سہی
کھلتی نہیں گر زباں ترانوں کیلئے
اے ہمنفسو نوائے ماتم ہی سہی

○

ہر چند نئی سنائی بولی تم نے
الجھی ہوئی اِک گرہ نہ کھولی تم نے
لفظوں کے الٹ پھیر سے اے ہم نَفَسو
کھیلی ہے بہت آنکھ مچولی تم نے

○

میں اور مجھے ملا کرے جام عسل
ساقی سے مجھ کو بدگمانی کا محل
یا دیجئے ساتگینِ خونِ ناب مجھے
یا کیجئے زہر ہیں مئے ناب کو حل

اِک داغ بہار ہے کہ پھولوں کی مہک
اِک موجِ غُبار ہے کہ سبزے کی لہک
افسردہ ہیں صبح و شام یخ بستہ ہے دل
اے آتش شوق میرے سینے میں دہک

○

پیمانۂ اعتبار دوزخ نہ بہشت
تصویرِ حریم یار، مسجد نہ کنشت
اے دیدہ ور و! نظر کا اُسلوب ہے یہ
نقشِ ورق حیات زیبا ہے نہ زشت

○

دے زہر ملا کے ساقیا ساغر مے
افسانۂ حسن یار ہوتا نہیں طے
سینے میں ہے اس بجھی ہوئی آگ کا نور
کانوں میں ہے اس سُنے ہوئے راگ کی لے

گیسوئے مشکیں ختن ختن کیا کہنا
چہرۂ رنگیں چمن چمن کیا کہنا
شوخی کے سنگار پر جوانی کا نکھار
یہ چھب یہ پھبن یہ بانکپن کیا کہنا

○

آخر شبِ فرقت کی سحر ہو کے رہی
امید نہ تھی مجھ کو مگر ہو کے رہی
افسانۂ زندگی کا حاصل یہ ہے
ہر طرح سے زندگی بسر ہو کے رہی

○

زہرابِ غمِ حیات پینا ہوگا
جس طرح سے بن پڑے گا جینا ہوگا
میں جانتا ہوں اپنے گریباں کا مآل
خود چاک کروں گا خود ہی سینا ہوگا

○

یک خمخانۂ مے

ساقی نامہ اور اسی اسلوب کی دوسری نظمیں

ساقی نامہ

بیا ساقی آئینِ جم تازہ کُن
طراز بساطِ کرم تازہ کُن
سرِ فتنہ دارد دگر روزگار
من و مستیٔ فتنۂ چشمِ یار
(حافظ)

(۱)

فسونِ خرد سے ہے دل تلخ کام
پلا ساقیا بادۂ لالہ فام
دلِ شادماں ہے نہ طبعِ جواں
مجھے کھا گئی فکرِ سود و زیاں

نہیں کم یہ شرمندگی ساقیا
کٹی رائیگاں زندگی ساقیا

پلا ساقیا بادہ مشک بُو
رگوں میں مری جم گیا ہے لہو

نہ دردِ محبت نہ ذوقِ جنوں
نہ وہ گریۂ خوں نہ سوزِ دروں

(۲)

مغنّی کوئی نغمۂ درد ناک
جسے سُن کے ہو جائے دل چاک چاک

درت میں کدارا بجا چنگ پر
کہ آئے طبیعت مری رنگ پر

سنا کوئی پنجاب کی داستاں
کہ دل پر ہے بارِ محبت گراں

وطن ہے مرا حسن کی سرزمیں
کمی اس جگہ دلبروں کی نہیں

یہاں رنگِ آدابِ محفل نہیں
یہاں جمعِ اربابِ محفل نہیں

یہاں دہلوی خوش کلامی نہیں
اصولِ زباں کی غلامی نہیں

یہاں غنچہ ناز ہے خوں فشاں
یہاں خاک کا رنگ ہے ارغواں

یہاں سوز میں ساز پانی میں آگ
یہاں جوگ میں مل گیا ہے بہاگ

یہاں موت سے کھیلتا ہے جنُوں
یہاں روز بہتا ہے دریائے خُوں

یہاں کوہساروں میں رقصاں ہے عشق
یہاں جوئباروں میں لرزاں ہے عشق

یہاں نوجوانوں سے ڈرتی ہے موت
یہاں مرنے والوں پہ مرتی ہے موت

سُنا مجھ کو افسانۂ عشقِ ہیر
ذرا چھیڑ دھیمے سُروں میں ہمیر

بجا اس طرح میٹھی میٹھی بہار
کہ یاد آئے مجھ کو بُتِ گلعذار

○

(۳۵)

وہ شیریں ادا فتنۂ عقل و ہوش
جسے دیکھ کر کہہ گیا تھا سروش

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مُرادوں کے دن

وہ شیریں ادائی وہ رنگیں شباب
جسے دیکھ کر زرد ہو آفتاب

وہ چہرہ تھا ظالم کا نکھرا ہوا
کہ چاروں طرف نور بکھرا ہوا

پھبن بانکپن سادگی دِل کشی
غرض یہ کہ مجموعۂ دِلبری

○

(۴)

منّی وہ عالم مجھے یاد ہے
نوازش وہ پیہم مجھے یاد ہے

وہ اس مہ جبیں کی محبت کا دور
محبّت کا عہد اور عشرت کا دور

وہ برسات کے دن وہ دریا کی سیر
وہ گلزار ہائے تمنّا کی سیر

وہ قول اور اقرار قسموں کے ساتھ
وہ سیر چمن ہاتھ میں دے کے ہاتھ

وہ کہنا کہ "میں آپ کی ہو چکی
تمہیں دیکھ کر اپنا دل کھو چکی"

مغنّی وہ عہدِ وفا خواب تھا
محبت کا سب ماجرا خواب تھا

کہاں سے اب آئیں وہ لیل و نہار
جنھیں کھا گئی گردشِ روزگار

نہ محفل رہی وہ ، نہ ساقی رہا
فسانہ محبّت کا باقی رہا

گیا حُسن خوبانِ دل خواہ کا
رہا نام باقی بس اللہ کا

(۵)

پلا ساقیا بادۂ آتشیں
بہت کھا چکا ہوں فریبِ یقیں

کتابوں سے رغبت رہی ہے مجھے
ادیبوں سے الفت رہی ہے مجھے

عراقی کی اکثر پڑھی ہے غزل
کئے ہیں مسائل تصوف کے حل

پلا ساقیا بادۂ خوشگوار
کہ علم و خرد سے ہے دل تار تار

بہت کھا چکا ہوں فریبِ وفا
پلا بادۂ آتشیں ساقیا

مغنی سنا مجھ کو اشعار تر
ٹپکتا ہو لفظوں سے خونِ جگر

سنا اس طرح سے غزل دردناک
کہ عابدؔ کا دل جل کے ہو جائے خاک

(۶)

کہانی ہم اپنی سُنانے لگے
وہ منہ پھیر کر مُسکرانے لگے

حیا سے جو کرتے نہ تھے ہم سے بات
وہ باتوں میں ہم کو اُڑانے لگے

دیئے حُسن نے ایسے ایسے فریب
کہ ہم عشق سے جی چرانے لگے

وہ پہلو میں ہیں اور شامِ بہار
یہی خواب رہ رہ کے آنے لگے

وہ سُن لیں جو عابد کی رنگیں غزل
تو محنت ہماری ٹھکانے لگے

چاندنی رات

(دو منظر)

نذرِ حُسن

وہ اُجلا سا میدان چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتّے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
نشے کا سا عالم گلستان پر
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر

(میر حسن دہلوی)

ابھی تک تیرے ساغر میں درخشاں ہے مئے باقی
ادر کاساً و ناولہا الا یا ایُّہا الساقی

جم و کسریٰ کی عظمت گم ہے پارس کی زمینوں میں
زبانوں پر ہے اب تک داستانِ حسن مشتاقی

(عابدؔ لاہوری)

○

(۱)

وہ مہتاب کا نُور وہ آب و تاب
کسی بُت کے مُنہ پر سنہری نقاب

فضاؤں میں انوار کھوئے ہوئے
شعاؤں میں موتی پیروئے ہوئے

وہ جلوے ہواؤں میں بکھرے ہوئے
وہ ذرے گلستاں کے نکھرے ہوئے

وہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار
کہ فرشِ زمرد پہ ہیروں کے ہار

وہ جلووں میں نغمے وہ نغموں میں رنگ
کہ تارِ بریشم میں رگہائے سنگ

وہ گلزار میں چاندنی کی بہار
رواں ہر طرف نور کا آبشار

وہ چاروں طرف نور چھایا ہوا
وہ سارا جہاں جگمگایا ہوا

وہ راوی کی لہروں پہ کرنوں کا ناچ
کوئی جس طرح گا رہا ہو کھماچ

وہ پانی میں عکسِ گلِ ماہتاب
کہ جیسے کنول میں کھلا ہو گلاب

اب اک اور تشبیہ دُوں بے مثال
سمندر میں چاندی کے سونے کا تھال

وہ لہروں پہ کرنوں کی سیمیں لڑی
کوئی جس طرح چھوڑ دے پھلجھڑی

کشاکش وہ موجوں کی وہ پیچ و خم
حسینوں کی یا ماتھا پائی بہم

کوئی باغ میں گا رہا ہے بہاگ
بھڑکنے لگی میرے سینے میں آگ

وہ گت میٹھی میٹھی وہ لے دردناک
کہ ہو جائے دامانِ دل چاک چاک

وہ آواز میں لوچ وہ سوز و ساز
کہ پتھر کے دل میں ہو پیدا گداز

لگاتا ہے اس طرح سے کوئی تان
کہ ہر تان کے ساتھ کھنچتی ہے جان

کسی نے وہ گائی غزل برق ریز
کہ نبضِ جنوں جس سے ہو جائے تیز

○

جوانی گئی ، زندگانی گئی
محبت کی رنگیں کہانی گئی

خدایا وہ دُنیا بھی ہو گی کہیں
جہاں عشق کی بات مانی گئی

نہ پایا کسی نے محبت کا بھید
بہت دیر تک خاک چھانی گئی

مبارک ہے میری جوانی کی موت
کہ یوں آپ کی بدگمانی گئی

ہوا ان سے جس دن سے عابدؔ جدا
غزل کی وہ رنگیں بیانی گئی

(۲)

وہ دریا کنارے درختوں کی شان
کسی سلطنت کے جواں پاسبان

بلندی کی ہر شان سے ارجمند
سر آوردہ و سرکش و سر بلند

گھنے ان کے سائے وہ ظلمت نگار
جہاں چاندنی کا نہیں ہے گُذار

یہاں آبِ دریا بھی خاموش ہے
کسی خوف سے موج روپوش ہے

یہاں گرمیِ نغمہ و نَے نہیں
سکوں کے سوا کوئی بھی شے نہیں

صَفیں وہ درختوں کی دونوں طرف
کہ دیووں کی فوجوں نے باندھی ہے صف

یہاں گم ہوئی موج کی بے کلی
یہاں آکے دریا نے چپ سادھ لی

یہاں دیر سے حکمراں ہے سکوت
یہاں کارواں کارواں ہے سکوت

(۳)

یہ دونوں مناظر ہیں یکسر فریب
ہے گرچہ بہت روح پرور فریب

فریب نظر ہیں بہار و خزاں
فریب نظر ہیں زمین و زماں

فریب تخیّل ہے کل کائنات
فریب تخیّل ہے موت و حیات

فریب تخیّل ہے بزم شہود
بس اک ذات ہے اس کی اصل وجود

○

باز ایں چہ آفت است نہالِ امید را
امسال ہم شگوفہ فشاند و ثمر نشُد

نہیں بھولتا ان کی فرصت کا وقت
وہ رُو رُو کے ملنا بلا ہو گیا
(حالیؔ)

دل بے قرار و غم ناگہاں
پلا ساقیا بادۂ ارغواں

سکوں کوئی حاصل نہ ہو یوں مجھے
تو دے زہر ہیں گھول کر خوں مجھے

مغنّی! سُن اے فتنۂ عقل و ہوش
لہو سے ہوا دل کفِ گل فروش

کوئی چیز، اے ماہ پارا بجا
سُریلی دھنوں میں کدارا بجا

مغنّی وہ عالم مجھے یاد ہے
جُدائی کا ماتم مجھے یاد ہے

سرِ شام وہ ان کا جانا ہے یاد
مجھے آج تک وہ فسانہ ہے یاد

○

گئیں اور ذوقِ فغاں دے گئیں
نشانِ غمِ بے نشاں دے گئیں

گئیں اور پابندِ غم کر گئیں
بیکا یک نگاہوں سے رم کر گئیں

مرے دل کی شادابیاں لے گئیں
وہ ساتھ اپنے دونوں جہاں لے گئیں

رگوں میں ٹھٹھر سی گئی موجِ خوں
خزاں ہو گیا لالہ زارِ جنوں

کلی شادمانی کی مرجھا گئی
خدا جانے کس کی نظر کھا گئی

مغنّی ذرا چھیڑ دے بانسری
سنا دے کوئی راگنی مدھ بھری

مغنّی ذرا اپنا بربط سنبھال
فسانے محبّت کے دوزخ میں ڈال

محبّت نے دل میرا خوں کر دیا
محبت نے محوِ جنوں کر دیا

سُنا کوئی تازہ غزل شعلہ کار
کہ نکلے کسی طرح دل کا بُخار

کیا خنجرِ غم نے دل چاک چاک
پلا ساقیا بادۂ تابناک

نہ کر عشق میں فکرِ سود و زیاں
نہ ہو کاوشِ این و آں سے ہلاک

نہ دنیا کی پروا نہ عقبیٰ کا خوف
نہ جنت کی خواہش نہ دوزخ سے باک

مرے خوں سے عابدؔ ہے شانِ بہار
مرے خوں سے رنگیں ہیں رگہائے تاک

شامِ نشاط

بہارِ نشاط و فروغِ شباب
پلا ساقیا بادۂ برق تاب

فضا نغمہ زار و ہوا مشک بار
اٹھا ساقیا ساغرِ زرنگار

پلا ساقیا بادۂ لالہ فام
کہ رنگیں ہوئی تیرے جلووں سے شام

سُن اے مُطرب نغمہ پرداز سُن
کوئی نغمۂ عالم طرب ناک چُن

نہیں جوگ سے کوئی مجھ کو مذاق
کہ طے ہو چکی ہے بساطِ فراق

نہ ہے وصل کی شب نہ ہے انبساط
کہ معمورِ عشرت ہے دل کی رُباط

یہ حالت ہے گھر کی سرِ شام سے
کہ طلعت رواں ہے در و بام سے

بچھا ساقیا آج پھولوں کا فرش
کہ شرمائے اپنے ستاروں پہ عرش

میسّر ہے سامانِ بزم و سُرود
دف و بربط و مزمر و چنگ و عود

اُٹھ اے ساقیٔ دل رُبا رقص کر
اُٹھ اے مطرب خوشنوا رقص کر

ہوئی آج مُشکل محبت کی حل

سنا دے کوئی رُوح پرور غزل

○

اٹھائیں اگر آپ مُنہ سے نقاب

تو پھیکا پڑے چہرۂ آفتاب

بہت آستانوں پہ سجدے کئے

بہت کر دیا میں نے رُسوا شباب

نہ کر اُن سے ملنے کی اے دل ہوس

کہاں خس کہاں شعلۂ برق تاب

وہ بہکی ہوئی چال بے باک و مست

وہ مہکے ہوئے گیسوئے مشکناب

انہیں جب سے دیکھا ہے عابدؔ نے یوں

نہ آرام دن کو نہ ہے شب کو خواب

○

چمن زارِ دل میں بہار آ گئی

بہار آ گئی ، آشکار آ گئی

دھڑکنے لگا سینۂ کائنات

ہوئی تیز رفتار نبضِ حیات

یکایک فضا گُل بداماں ہوئی
یکایک تجلّی نمایاں ہوئی

بدلنے لگا انتظامِ جہاں
کہ سورج ہوا رات کو ضو فشاں

وہ آئے جلو میں لئے نُور کو
خبر دے کوئی جلوۂ طُور کو

ہوا ان سے پھر آمنا سامنا
مجھے ہم نشیں تھامنا تھامنا

○

ہوئی خاکساری مری سرفراز
ہوا ناز ان کا اسیرِ نیاز

محبّت کے نالے رسا ہو گئے
دریچے سعادت کے وا ہو گئے

نہ وہ بے قراری نہ دورِ جنوں
جنوں ہو گیا مایہ دارِ سکوں

الٰہی ترا شکر ہے لاکھ لاکھ
کہ رکھ لی ہے ناچیز بندے کی ساکھ

تمنّا کی نورس کلی کھِل گئی
ترے فیض سے زندگی مل گئی

ساقی نامہ

بہار آئی ساقی بطِ مے اُٹھا
ہتھیلی پہ تختِ جم و کے اٹھا
دکھا کوئی محفل کو جادُو گری
اُتارا اپنے شیشے میں ساقی پری
اُبلنے لگی زندگی خاک سے
نکلنے لگا خوں رگِ تاک سے

زمانے نے اُلٹی بساطِ خزاں
پلا ساقیا بادۂ ارغواں

مے لعل کو آبِ حیواں بنا
خطِ جام مے کو رگِ جاں بنا

مغنّی کوئی راگ اِس شان سے
کہ بجلی لپٹ جائے ہر تان سے

نہیں قید کچھ بھیرویں ٹھاٹھ کی
کوئی شے کسی دلنشیں ٹھاٹھ کی

نکلتے ہوں شعلے رگِ سنگ سے
ٹپکتا ہو خوں پردۂ رنگ سے

کوئی دُھن بطرزِ عراق و حجاز
کوئی شے شہانہ ہو یا شہناز

کوئی سُر ہو کُومل رکھب یا گندھار
کوئی تال ہو، دادرا یا دھمار

وہ دُھرپد ہو اے نغمہ گر یا خیال
کوئی نغمہ ہو بہرِ رفعِ ملال

چلی آئے آوازِ شہپور نے
درت ہو کہ مطرب بلمپت ہوئے

○

سُن اے نغمہ گر اے بہار آفریں
تری ساحری پر ہزار آفریں

خرد کا ہے شیرازہ بکھرا ہوا
سُنا دے کوئی راگ نکھرا ہوا

مغنّی سُن اے رازدانِ بہار
بہت تیز ہے کاروانِ بہار

کلی کو چٹکنے کی فرصت نہیں
ہوا کو مہکنے کی مہلت نہیں

اُٹھ اے زینتِ انجمن رقص کر
اُٹھ اے رشکِ سرو سمن رقص کر

ذرا ساز سے ناز کے سُر مِلا
بڑی دیر کے بعد یہ گُر مِلا

کہ مستی میں کُھلتا ہے رازِ حیات
اسی سُر پہ بجتا ہے سازِ حیات

○

محبّت کا سوزِ نہاں رہ گیا
بجھی آگ لیکن دُھواں رہ گیا

مِرا دل ہے اور ہمنشینوں کا سوگ
مسافر پسِ کارواں رہ گیا

دلآویز ہے کس قدر کوئے شوق
جہاں کوئی بیٹھا وہاں رہ گیا

ہوئیں کم نہ تقدیر کی گردشیں
زمیں تھک گئی آسماں رہ گیا

گیا تھا پئے سیرِ دشتِ جنوں
خدا جانے عابدؔ کہاں رہ گیا

○

بریشمِ عود

پیش لفظ

۱۹۳۳-۳۴ء کی بات ہے میں لاہور کے ایک کالج میں بی اے کا طالب علم تھا۔ مولانا تاجور مرحوم کے ادبی دنیا میں عابد صاحب کا ساقی نامہ شائع ہوا۔ اور لاہور کی ادبی فضا پر چھا گیا۔ میں اتنا متاثر ہوا کہ چند دوستوں کو لے کر دیال سنگھ کالج پہنچا جہاں عابد صاحب فارسی کے استاد تھے۔ دور سے زیارت کی۔ بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی انہیں پتہ بھی نہ چلا اور میں ادب واحترام سے ان کا مجسمہ دل میں اٹھا لایا۔ یہ زمانہ وہ تھا، جب شاعرِ مشرق کے فکر و نظر نے سارے ملک کا احاطہ کر رکھا تھا۔ ان کے نور کے سامنے تمام چراغ ماند پڑے تھے، داغ و امیر کا رنگ اڑ چکا تھا۔ ہاں اس رنگ کو برقرار رکھنے کے لئے دلّی میں بیخود، سائل اور شاعر، آگرہ میں سیماب اور دکن میں جلیل بدستور کوشاں تھے۔ غزل اور نظم دونوں میں لفظی الٹ پھیر محاورہ بندی اور صناعی کے خلاف، آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسی ردعمل نے جہاں غزل میں حسرت موہانی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، یاس یگانہ اور جگر مرادآبادی کو فروغ دیا تھا۔ وہاں نظم میں اقبال کے معاصرین میں حفیظ جالندھری جوش ملیح آبادی، علی اختر حیدرآبادی، اختر شیرانی، روش صدیقی، احسان دانش، ساغر نظامی اور دوسرے بے شمار شعرا کو مقبول بنا دیا تھا۔

لاہور اس ردِ عمل کا گہوارہ تھا۔ اردو یہاں کی علمی اور ادبی زبان تھی، پنجابی مادری زبان ضرور تھی، لیکن اس کی شاعری مغربی اثرات اور نئی تعلیم کے سامنے ٹھہر نہ سکی اس پر اقبال کی عظمت اور گرفت، گویا اس سرزمین سے ابھرنے والے پر موزوں طبع نوجوان کو فرصت ہی نہ تھی کہ پنجابی کو اپنی فکر و خیال کے اظہار کا وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی کو محسوس کرے۔ ہاں اسے پنجابی مزاج نے ورثتاً دو نعمتیں ودیعت کی تھیں جو اس کے اپنی راہ ہموار کرنے اور اپنا انداز پیدا کرنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ جذبہ اور اس کا پیرایۂ اظہار سچا ہو اور دوسرے یہ کہ لفظ کے ان روائتی معانی سے اجتناب کیا جائے جو اُردو نے قلعہ معلّٰے اور دلی لکھنو کے گلی کوچوں سے اکٹھے کئے تھے، اسی مزاج نے بالغ ہوتے ہی یہ بھی محسوس کر لیا کہ اگر عربی اور فارسی ادب سے فضا مستعار لی جا سکتی ہے تو انگریزی زبان سے بھی، جو حاکم کی زبان ہونے کی وجہ سے حکم کا درجہ رکھتی تھی، (اظہار و بیان کے) زندہ عناصر مانگ لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

تو لاہور اس ردِ عمل کا گہوارہ تھا۔ یہاں کے کالج نئے شعور کو پروان چڑھا رہے تھے۔ اور حسن اتفاق سے ان کالجوں میں فارسی اردو کے بعض استاد خود خوش فکر اور قابل قدر شاعر تھے۔ دیال سنگھ کالج میں عابد صاحب اور مولانا تاجور نجیب آبادی مرحوم گورنمنٹ کالج میں صوفی تبسّم صاحب اور اسلامیہ کالج میں ڈاکٹر تاثیر مرحوم اپنی ذات میں انجمن تھے۔ کالج سے نکلے تو ابوالاثر حفیظ جالندھری، اختر شیرانی مرحوم، احسان دانش، چراغ حسن حسرت مرحوم اور دوسرے مقبول و معروف شعرا اسی شعور کی دستگیری کرنے کے لئے موجود تھے۔ اس پر نامی ادبی رسائل انجمنیں اور محفلیں، گویا اردو کی روایتی غزل اور ملمع سازی کے خلاف ایسا محاذ قائم ہو گیا، جس نے نہ صرف قدامت کی کھوکھلی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا بلکہ نئی زمینوں کو بھی دریافت کیا اور ان میں متعدد

نوآبادیاں قائم کر دیں۔

اس محاکمے سے میری مراد نئے شعور اور نئے شعر کا سراغ لگانا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس میں عابد صاحب کا مقام متعین کر دوں۔ عابد صاحب ایک شاعر ہی نہیں، ایک دور ہیں۔ ان کا شعر اور شعور انہی کے ہاں نہیں ان کے دور میں بھی رچا بسا ہے انہوں نے اپنے ہمعصروں اور طالب علموں کے سامنے فکر و نظر کے پیکر اس طرح تراش کر رکھے کہ ہر ایک ان سے بقدرِ استطاعت و ظرف متاثر ہوتا چلا گیا۔ اُن کی اُونچ اور بالغ نظری سے مجھے بھی حصہ وافر ملا ہے اور یوں میں انہیں اپنا استاد مانتا ہوں۔

میری ان سے پہلی ملاقات ۱۹۳۹ء کے اواخر میں ہوئی۔ ان کے خلوص اور بے لوث انداز فکر نے مجھے گرویدہ کر لیا۔ میں ان کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضر ہونے لگا۔ پھر وہ حلقۂ اربابِ ذوق میں تشریف لانے لگے۔ ان کی مبصرانہ صلاحیتوں، ناقدانہ نظر اور شاعرانہ عظمت کے ہم سب قائل تھے۔ اس پر لطف یہ کہ بزرگی، مطالعہ، مشاہدہ اور عالمانہ عظمت کے باوجود وہ کسی قید اور حد بندی کو قبول نہ کرتے تھے۔ وہ ہم میں ہم جیسے ہو کر رہتے۔ مشورہ دیتے تو ایسے جیسے پوچھ رہے ہوں اور یوں ہمارے دلوں اور ذہنوں میں سرایت کرتے چلے گئے۔

قیوم نظر دیال سنگھ کالج ہی سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تھے اور یوں انہیں عابد صاحب کا شاگرد ہونے کا فخر بھی حاصل تھا۔ یہی نہیں انہیں عابد صاحب ہی نے نظر بنایا تھا۔ عابد صاحب ہی کے "تتبع" میں انہوں نے ساقی نامہ لکھا تھا۔ اس کے باوجود عابد صاحب نے انہیں دوستی ہی کے مقام پر رکھا اور آج بھی ہم سب دوست ہیں۔ میں اسے عابد صاحب کی عالی ظرفی پر محمول کرتا ہوں، ورنہ دوستی کے اہل ہم لوگ نہ جب تھے نہ اب ہیں۔ وہ آج بھی اسی استادانہ منصب پر فائز ہیں ہم آج بھی ان سے سیکھتے ہیں اور

یہ فاصلہ عمر بھر یونہی قائم رہے گا۔ بریشم عود کا پیش لفظ لکھنے کا حکم ملا، تو میں اسی فاصلے سے لرزا، مجھے قلم اٹھانے کی جسارت نہ ہوتی تھی، لیکن عابد صاحب کی "دوستانہ نظر" پھر آڑے آگئی اور میں نے فخر سمجھ کر سر تسلیم خم کر دیا۔

عابد صاحب نے فارسی اور اردو کے استاد کی حیثیت سے ایک عمر گزاری ہے۔ ان زبانوں کے علوم و ادب ان کی طبیعت میں رچ بس چکے ہیں۔ چنانچہ استاد کی حیثیت سے ان کی نگاہ لفظ و معنی پر برابر کی پڑتی ہے۔ انہوں نے لفظ کو معنی سے جدا کر کے بھی دیکھا ہے اور ڈبو کر بھی :-

لفظ معنی سے جدا ہے اب تک　　　کتنے وحشی ہیں غزالانِ خیال

انہیں لفظ کے اتنے تلازمے اور خیال کے اتنے پیرائے دکھائی دیتے ہیں جتنے بالعموم آج کے شعرا کی نگاہوں میں نہیں ہوتے وہ طبعاً حسن پرست ہیں۔ لیکن بیدار مغزی ان کا کیش ہے، چنانچہ اپنی عاشقانہ افتاد طبیعت کے باوجود وہ اپنے تاثر میں بہہ نہیں گئے، وہ اپنے مقام پر قائم رہتے ہیں اور حسن کو مجبور ادا کرتے ہیں انہوں نے حسن کو عشق پر مائل کر کے تماشا کیا ہے اور اس کا اظہار لفظ و معنی کی جادوگری سے کیا ہے جو اردو شاعری میں ایک منفرد آواز کا درد رکھتا ہے۔ ؎

پیکر گرِ خیال ہے آئینہ جمال

جب چاہوں ان کی بزم تماشا دکھائی دے

عابد صاحب کی طبیعت میں نغمہ بسا ہے میں نے پچیس برس میں انہیں گاتے بجاتے نہیں دیکھا، لیکن نغمے سے ان کے والہانہ شغف اور بے پناہ ربط کو ہمیشہ محسوس کیا ہے۔ مشرقی موسیقی اور موسیقاروں کے فن پر ان کی نظر بہت گہری پڑتی ہے اور جب یہ نظر لوٹ کر اپنے محبوب کے جمال سے ہوتی ہوئی شعر کی وادی میں داخل ہوئی تو یہاں بھی نغموں کے پھول بکھیرتی چلی گئی۔ شعر کے کلاسیکی مزاج میں کلاسیکی موسیقی کا

رچاؤ عجب بہار پیدا کرتا ہے۔ میں نے اس معاملے میں بھی عابد صاحب کو اپنے معاصرین سے ممتاز دیکھا ہے ان کی غزل میں لفظ پرندے بن کر اڑتے ہیں، چہچہاتے ہیں دورِ فکر کی شاخوں پر رنگ و بو بن کر آ بیٹھتے ہیں۔ لفظ کی کشش اپنی طرف کھینچتی ہے، خیال کی رو اپنے ساتھ بہاتی ہے اور دونوں کے امتزاج سے جو نغمہ پھوٹتا ہے، وہ رُوح میں دوڑنے لگتا ہے۔ چنانچہ پوری غزل بھی خیال کی اکائی بن جاتی ہے، جو اپنی بوقلمونی سے متاثر کرتی ہے اور کبھی گلدستہ بن کر فکر و نظر کو سرشار کر دیتی ہے مثلاً

رات کو اضطراب تھا، کیا تھا ۔۔۔ دیر تک پیچ و تاب تھا، کیا تھا
شام تا شام صبح تھی، کیا تھی ۔۔۔ صبح تا صبح خواب تھا، کیا تھا
کتنے روشن تھے گوشہ ہائے خیال ۔۔۔ ہر طرف آفتاب تھا، کیا تھا
دھوپ میں نور، نور میں خوشبو ۔۔۔ مہر تھا، ماہتاب تھا، کیا تھا
صورتِ نکہتِ عروس، خیال ۔۔۔ شام سے بے حجاب تھا، کیا تھا

جلوہ گر تھا سخن بغیر کلام
کوئی محوِ خطاب تھا کیا تھا

اس غزل میں ردیف یوں اُبھرتی ہے، جیسے طبلے پر تھاپ پڑتی ہو۔ لیکن ہر جگہ معانی کے ساتھ عجیب چھیڑ چھاڑ کرتی چلی جاتی ہے۔ ہر جگہ خیال کی نزاکتیں، لفظوں کی تہوں سے پھوٹ پڑتی ہیں اور زنجیر بناتی ہوئی قاری کے لاشعور کو گرفت میں لیتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ پوری غزل پڑھ چکنے کے بعد دل و دماغ دونوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہاں سمجھنے کے لئے اپنے ہی دل کی گہرائیوں میں ڈوبنا پڑے گا کہ تاثر کا ادراک ذہنی نہیں ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو سطحی اور وقتی ہوتا ہے لیکن اس کا اطلاق عابد صاحب کی غزل پر نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسے جابکدستِ فنکار ہیں کہ ان کے ہاں خیال اور اظہار اتنے آراستہ اور پیوستہ ہوتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ

دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ساز خیال چھیڑ کے سُن لیجیے ہمیں
محفل میں ہیں ترنمِ صوتِ شنیدہ ہم

عابد صاحب نے مطالعۂ ادب میں ایک عمر گذاری ہے۔ وہ فارسی اور اردو کے استاد ہیں لیکن انگریزی ادب پر ان کی نظر کچھ سرسری نہیں حسن جہاں بھی ہو، اور جیسا بھی ہو انہیں مرغوب ہے شیلے، کیٹس، بائرن، براؤننگ۔ غرض کہ تمام مغربی شعراء جن کے ہاں احساس جمال نمایاں ہے۔ انہیں پسند ہیں لیکن یہاں بھی ان کی پسند تاثر کا لباس اوڑھ کر انہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتی وہ مشرق کے دل میں سے اُبھرے اور چٹان بن کر قائم ہو گئے۔ اردو اور فارسی تغزل ان کی روح میں جولاں ہے انگریزی شعریت کی سطحیت ان کے قدم چومتی ہے اور دل تک نہیں پہنچتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اردو اور فارسی کی کلاسیکیت میں جہاں محبوب خاک کا پتلا کم ہی ہوتا ہے وہاں عابد صاحب کا محبوب اپنی تمام رعنائیوں اور دل آویزیوں کے ساتھ بے حجاب بھی ہے، اور حجاب میں بھی ہے۔ ؎

وہی ڈھکے ہوئے رخسار وہی روپ سنگار
تیری سج دھج کا سمن زار، چمن ہو جیسے
چشمِ حیراں کو تیری شکل دکھائی دی تھی
وہی لہجے کا سجل پن وہی باتوں کی مٹھاس
دل میں پوشیدہ کہیں کوئی لگن ہو جیسے
گوشِ دل کو تری آواز سنائی دی تھی

نکہت و ناز کے یہ جال کہاں دیکھے تھے

پہلے مہکے ہوئے یہ بال کہاں دیکھے تھے

پہلے یہ زلفِ جنوں خیز کہاں دیکھی تھی

جلوہ آرائی کا اعجاز کہاں دیکھا تھا

پہلے یہ روئے فسوں ساز کہاں دیکھا تھا

پہلے یہ شکل دل آویز کہاں دیکھی تھی

الفاظ کی زنجیر بنا کر فکر و نظر کو پہنانا عابد صاحب کے تغزّل کا خاصہ ہے ان کی غزل ہو یا نظم ہر جگہ ایک مربوط ترنم قاری کو گھیر لیتا ہے اور ہر جگہ روح تغزّل کارفرما ہے مجھے تو ان کا کلام پڑھتے ہوئے بار بار محسوس ہوتا ہے کہ اردو اور فارسی شعر نے بیسویں صدی میں ہم آہنگ ہو کر ایک پیکر ڈھالا ایک بت تراشا اور اس کے قالب میں جلترنگ بن کر بجنے لگا۔ یہ فن کار عابد ہے اور یہ جلترنگ بریشم عود ہے ملں ان غزلوں کا محبوب خیالی نہیں۔ گوشت پوست کا انسان ہے اس کا ہجر، اس کا وصال، اس کی صحبت اس کی گویائی، اس کا تبسم اور اس کی نگاہ دل نشیں۔ ہر بات ایک حقیقت ہے اور ہر حقیقت دل آویز و دل رُبا۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ عابد صاحب کے ہاں لطافت خیال کو لفظوں کی فسوں گری سے جدا نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو انہوں نے اپنا فن "ٹھہرایا ہے۔ الفاظ خیال کا لباس ہیں اگر قامت خیال پر الفاظ چست نہ ہوں، موزوں نہ ہوں، عمر اور مزاج کے مطابق نہ ہوں، تو خیال دوسرے کے ذہن تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا اس معاملے میں وہ صناع ہیں کہ ان کی نادرہ کاری اور نازک مزاجی کے امتزاج نے الفاظ کو پتھر سے نگینہ بنا کر مناسب اور متناسب کیا اور خیال کے خالص سونے پر یہ جڑاؤ کام اور بھی دیدہ زیب ہو گیا۔ قافیے کا استعمال ان کے ہاں خاص معنی رکھتا ہے اور ردیف ہر جگہ اپنی معنویت

کا ایک مخصوص انداز لیے ہوئے آتی ہے کہیں وہ گنگناتی ہے کہیں تھاپ بن جاتی ہے۔ کہیں نغمے کو ابھارتی ہے اور کہیں خیال سے پیوست ہو جاتی ہے ؎

اثر کا نام نہ لو دوستو، خدا کے لئے
ملے تو مانگ نہ لوں آہ نارسا کے لئے

جو دلبری کا یہ عالم رہا تو اے شوخی!
کوئی کرشمہ نہ چھوڑے گی تو حیا کے لئے

مُقدّرات کی تقسیم جب ہوئی عابدؔ
جو غم دیئے نہ گئے تھے وہ میں نے جا کے لئے

یہاں میں نے دانستہ اس غزل کے وہ شعر لئے ہیں جن میں ردیف الگ الگ مفہوم لے کے آئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر و بیشتر غزلوں میں ہے۔

اس مجموعے میں عابد غزل گو و سخن سرا "بے نوا" بن کر بھی ابھرے ہیں وہ شاعر جو محبوب سے غمزہ و عشوہ و ادا روایتی طور پر طلب کرے، اور اس کے جوہر وفا کو اپنا حق جانے، دنیا سے نکل کر دین کی وادی میں پہنچا تو بے نوا ہو گیا کہ اس وادی کی نوا ہی بے نوائی ہے۔ خدا کی بارگاہ میں انسانی عظمت عجز و بندگی میں ہے اور حضور سرکار دو عالم معراج اس محبت میں ہے جو کہہ سکے۔

لائی ہے آج نکہت سرکار دو جہاں
اے صحن باغ! موج صبا کو سلام کر

لیکن نظم ہو یا غزل عابد صاحب بالطبع غزل کہتے ہیں ان کے ہاں کیفیت و مضمون کے اعتبار سے وہ بے جا قافیہ بندی اور پیوند نہیں جو قدیم غزل کا خاصہ ہیں۔ ایک ہی غزل میں ہجر کا رونا اور وصال کا عالم پیش کرنا خلاف واقعہ بھی ہے اور خلاف اظہار بھی اور عابد صاحب اپنے خراج سے مجبور ہو کر بھی اسے قبول نہیں کر سکتے۔ ان کے ہاں بیشتر

غزلوں میں ایک فضا، ایک بڑھتا ہوا تاثر، ایک پھیلتا ہوا تصور، ایک جولاں خیال کا عالم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے بیشتر غزلوں کو نظم کہیے اور ہر شعر کے مزاج اور تیور دیکھیے تو ٹھیٹ غزل اور ایسی غزل جس پر عابد صاحب کی اپنی چھاپ بھی موجود اور ثقہ تغزل کی مہر بھی ثبت۔ نظموں میں بھی یہی بات کہ تسلسل خیال اور فکر مربوط کے ساتھ غزل کی سی چاشنی بھی اور زبان بھی۔

اقبالؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ناگہاں نور میں نہلائے گئے دشت و دمن
فکر اقبال کا مہتاب ہوا جلوہ فگن
ہو گئے بزم تماشا کے دریچے روشن
ناگہاں صحن گلستاں میں چلی بادِ بہار
ہو گیا ہر گل تر صورت سینۂ فگار
مل گئی بلبل و قمری کو زبان گفتار

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ فکر اقبالؒ کو بھی عابد غزل خواں نے محبوب بنا کر سجایا اور ایسی فضا میں پیش کیا، کہ اس کا حسن اور بانکپن پوری طرح نکھر آیا اور اس نظم کا آخری بند تو مجھے فکر عابد پر چست دکھائی دیتا ہے

حرف کے سینۂ یخ بستہ میں روشن ہوئی آگ
لفظ کی صوت سخن ساز سے پیدا ہوئے راگ
کہہ دیا فکر نے لیلائے معانی سے کہ جاگ!

ستم ہوگا اگر 'ساقی نامہ' کا ذکر نہ کروں، کہ ساقی نامہ عابد صاحب کی خاص چیز ہے اردو شاعری میں اقبالؒ کا "ساقی نامہ" بڑا مقام رکھتا ہے لیکن اقبالؒ کے فکر نے گوارا نہ کیا کہ فارسی "ساقی نامہ" سے مستعار لے کر اس رنگ سخن کو اپنے لہو میں ڈبوئے بغیر چھوڑ دے۔

چنانچہ اقبالؒ کا ساقی نامہ اپنے دور پر بھی تبصرہ ہے اور اپنی خودی کا پرچار بھی۔ اس کے برعکس عابد صاحب نے اپنے ساقی ناموں کو مے کدے سے باہر نہیں نکلنے دیا اس لیے کہ :-

خرد ہے زمانے میں دامن کشاں   اٹھا ساقیا ساغر گلفشاں

اس مجموعے میں "ساقی نامہ" ایک ایسا سراپا لیے ہوئے ہے۔ جو مدتوں یادگار رہے گا۔ مصرعوں کی اُٹھان سے عشوہ و ناز کی ترک تازیاں یوں گلے مل رہی ہیں، کہ تصور اور ذوق شعر دونوں مسحور ہوئے جاتے ہیں۔ سچ کہتے ہیں۔

مرے لفظ ہیں راز دار غنا   مری بات ہے شعر کی آبرو

ہمیں جانتے ہیں زباں آورد!   کیا کرتے ہیں جی سے جو گفتگو

اس مجموعے کے آخر میں عابد صاحب نے اپنی انفرادیت اور نکتہ دانی سے ایک اور میدان مارا ہے، جسے اکثر و بیشتر شعرا اپنے کمال کے معانی گردانتے ہیں آپ نے "اوایلِ مشق و تقلید" کا ایک باب کھول کر اپنے فنی ارتقا اور مشق سخن کے مراحل کو بھی پیش کر دیا ہے اور یہ بھی دکھا دیا ہے کہ اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے انہوں نے اپنے پیش رؤوں اور معاصرین کے نقوش قدم کو بھی رہنما جانا اور ان کے چراغوں میں اپنا چراغ روشن کرنے کو بھی عیب نہیں سمجھا۔ حق ہے کہ منزل سے محبت ہمسفروں کو بھی محبوب بنا دیتی ہے عابد صاحب کے دل میں جو محبت موجزن ہے اس نے دشمنوں کو بھی دوست ٹھہرایا ہے دوست تو خیر دوست ہوتے ہیں۔ امیر خسروؒ کی زبان میں یوں کہیے۔

غمے دارم کہ باد از دوستاں دور

بحق دوستی از دشمناں ہم

چند ماہ ہوئے جب میں لاہور تبدیل ہو کر آیا تو عابد صاحب نے مجھے اور قیوم نظر کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ ان کی محفل آرائیوں کے پیش نظر میں نے

مسکراتے ہوئے کہا۔ بس ہم دونوں؟ فرمانے لگے "نہیں" یوسف ظفر! اگر کوئی پچیس سال پرانا دشمن بھی مل جائے تو اسے بھی ساتھ لے آنا"۔ یہ ہے میرے نزدیک عابد صاحب کی ذات جس نے "بریشم عود" کے پردے میں چھپ کر وہ نغمہ چھیڑا ہے، جو صدیوں یادگار رہے گا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر کی صحبت نہیں رہی

یوسف ظفر

غزلیات

بہ ہوش سیرِ چمن کن کہ شاہداں مستند
قرابہ بر سرِ ابرِ بہار بشکستند

○

اُس نگارِ محفل آرا کا پیام آ ہی گیا
کوئے رسوائی سے عابدؔ کو سلام آ ہی گیا

سجدے میں یاد آ گئے محرابِ گردن کے خطوط
لب پہ تیرا نام بھی وقتِ قیام آ ہی گیا

روکتی تھی گردشِ دوراں مگر لے چشمِ یار
تیرا ایما دیکھ کر گردش میں جام آ ہی گیا

دشتِ غم کی چاندنی بالائے بام آ ہی گئی
سردِ ہجراں کے چراغاں کا مقام آ ہی گیا

آخرِ شب ساتگیں میں رہ گیا زہرابِ غم
آخرِ شب عاشقوں تک دورِ جام آ ہی گیا

○

گلزار ترے حُسن کا نقشِ کفِ پا ہے
ہر پھول ترے دستِ نگاریں کی حنا ہے

ہر شام گلستاں ہے بہارِ شبِ گیسو
ہر صبحِ چمن روئے درخشاں کی ضیا ہے

ہر نکہتِ نورس ترے دامن کی ہے خوشبو
ہر گلبنِ رنگیں ترے قامت کی ادا ہے

ہے تیرے لبوں کو ہوسِ لمس تمنا
منہ بند کلی منتظرِ بادِ صبا ہے

اے دیدہ ورو! گلبن و گلزار کو سمجھاؤ
یہ خوں شدگی مرضِ شگفتی کی سزا ہے

درپیش ہے مجھ کو سفرِ کوئے ملامت
یہ راہ کوئی بھی نہ چلے گا نہ چلا ہے

○

نورِ مہتاب کا دیکھا جو غبار — تیری تابانیٔ تن یاد آئی

آئی جب نکہتِ گیسوئے بہار — تیری خوشبوئے دہن یاد آئی

وہ قیامت کہ تجلّی حیراں — تیری تنویرِ بدن یاد آئی

دیکھ کر ثروتِ حسنِ محبوب — اپنی ناداریٔ فن یاد آئی

جب ہوئے شام کے سائے گہرے — ناگہاں صبحِ وطن یاد آئی

دشتِ غربت میں کٹی رات مگر — صبح کو شامِ چمن یاد آئی

کیا تماشا تھی جوانی میری
آج حاکم بدھن یاد آئی

○

جلتی رہے گی مشعلِ مہتاب رات بھر
اب میں ہوں اور دیدۂ بے خواب رات بھر

چھائی رہی ہے صبح تلک درد کی گھٹا
پیتا رہا ہوں غم کی مئے ناب رات بھر

روتا رہا ہوں صورتِ ابرِ بہار گل
لٹتے رہے ہیں گوہرِ نایاب رات بھر

بہتے رہے نہالِ چمن خار و خس کے ساتھ
چڑھتا رہا بہار کا سیلاب رات بھر

یونہی چراغِ لالہ فروزاں نہیں ہُوا
جلتی رہی ہے شبنمِ شاداب رات بھر

اک چاندنی کے پھول سے مہکا ہوا ہے دل
میں دیکھتا رہا ہوں یہی خواب رات بھر

سیکھے تری نظر سے بہ عُنوانِ دلبری
عرضِ نیاز و ناز کے آداب رات بھر

باوصف تیرگی تری زلفوں کی اوٹ میں
لرزاں تھی صُبح صُورتِ سیماب رات بھر

عابدؔ یہ کون شعلہ نوا تھا غزل سرا
روشن تھی شمعِ محفلِ احباب رات بھر

○

اثر کا نام نہ لو دوستو! خدا کے لئے
ملے تو مانگ نہ لوں آہ نارسا کے لئے

کہاں تک اے لبِ نوشینِ یار، سحر و فسوں
رہی نہ بات کوئی چشمِ سُرمہ سا کے لئے

جو دلبری کا یہ عالم رہا تو اے شوخی،
کوئی کرشمہ نہ چھوڑے گی تو حیا کے لئے

لرز رہا تھا مرے دل میں ایک قطرۂ خوں
سنبھال کر اُسے رکھا تری حنا کے لئے

قسم ہے ذوقِ نظر کی کہ ہو گئی مخصوص
بہارِ لالہ و گُل تیرے نقشِ پا کے لئے

مقدّرات کی تقسیم جب ہوئی عابدؔ
جو غم دیئے نہ گئے تھے وہ میں نے جا کے لئے

○

عجب نہیں جو محبت مری سرشت میں ہے
یہی شرارِ نہاں، رُوحِ سنگ و خشت میں ہے

نہ بجلیوں کو خبر ہے نہ خوشہ چیں کو پتہ
کہ اک نہالِ تمنّا ہماری کشت میں ہے

یہ رنگ و نور کے نغمے یہ دلکشا جلوے
صنم کدے ہیں کہ ذوقِ نظر بہشت میں ہے

ابھی نگاہ پہ ہیں رسم و وہم کے پردے
ابھی خیال طلسماتِ خوب و زشت میں ہے

حرم کے دیدہ وروں سے پتہ ملا عابدؔ
کہ ڈھونڈنے جسے نکلے ہو وہ کنشت میں ہے

○

دن ڈھلا، شام ہوئی، پھول کہیں لہرائے
سانپ یادوں کے مہکتے ہوئے ڈسنے آئے

وہ کڑی دھوپ کے دن، وہ تپشِ راہِ وفا
وہ سوادِ شبِ گیسو کے گھنیرے سائے

دولتِ طبعِ سخن گو ہے امانت اس کی
جب تری چشمِ سخن ساز طلب فرمائے

جستجوئے غمِ دوراں کو خرد نکلی تھی
کہ جنوں نے غمِ جاناں کے خزینے پائے

سب مجھے مشورہ ترکِ وفا دیتے ہیں
ان کا ایما بھی ہو شامل تو مزا آ جائے

کیا کہوں دل نے کہاں سینت کے رکھا ہے اسے
نہ کبھی بھولنے پاؤں نہ مجھے یاد آئے

میں نے حافظ کی طرح طے یہ کیا ہے عابد
"بعد ازیں مے نہ خورم بے کفِ بزم آرائے"

○

دیکھنا طوفانِ برق و باد و باراں دیکھنا
بجھ نہ جائے شمع محفل ہائے یاراں دیکھنا

آج کل ہر خار کو یہ بات ہے نوک زباں
ہم بھی ہیں گلشن میں اے فصل بہاراں دیکھنا

ہمدمو جاتے تو ہو سوئے مقاماتِ بلند
راہ میں پڑتا ہے اک شہر نگاراں دیکھنا

ہم فقیروں سے کہ ہیں رمز آشنائے چشمِ یار
کتنا برہم ہے مزاج شہر یاراں دیکھنا

موج خوں پر مجھ کو ہوتا ہے گمانِ موج رنگ
یہ فسوں پردازیٔ فصل بہاراں دیکھنا

اک ذرا عابدؔ سنبھل جائے تو اے اربابِ ناز!
اُس کو پھر مسند نشین بزمِ یاراں دیکھنا

○

جبینِ تمنا کی تابانیاں ہیں
کہ دل میں ابھی تک پُرافشانیاں ہیں

یونہی تیرے گیسو ہیں رسوا کہ مجھ کو
پریشانیاں تھیں، پریشانیاں ہیں

ہمیں رمز جینے کی پہچانتے ہیں
پشیمانیاں سخت نادانیاں ہیں

قفس ہم کو راس آگیا ہم صفیرو!
سحر خیزیاں ہیں، غزل خوانیاں ہیں

محبت کے آداب کس کو بتاؤں
سُبکساریاں ہیں، گراں جانیاں ہیں

تجلی کو ہے آرزوئے تماشا
تمہاری بھی کیا جلوہ سامانیاں ہیں

وہ لعل سخن داں وہ چشم سخن گو
ادا فہمیاں ہیں ، ادا دانیاں ہیں

نہ جینا ہے مشکل محبت میں عابد
نہ یہ ہے کہ مرنے میں آسانیاں ہیں

○

بے کراں درد کی دولت کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے مجھے وحشت کبھی ایسی تو نہ تھی

اضطرابِ غمِ فُرقت کبھی ایسا تو نہ تھا
بے تکلّف مری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

ڈس لیا روز کی تنہائی نے ورنہ مجھ کو
محفل آرائی کی فرصت کبھی ایسی تو نہ تھی

ہیں پریشانیٔ خاطر کے قرینے تھا لیکن
گیسوئے یار کی صورت کبھی ایسی تو نہ تھی

یاد نے آج سجائی ہے وہ محفل کہ نہ پوچھ
ورنہ انوار کی طلعت کبھی ایسی تو نہ تھی

ہمدمو! دیکھتے ہو تابشِ مہتابِ خیال
چاندنی شام سعادت کبھی ایسی تو نہ تھی

نکہت و نور کے جلوے کبھی ایسے تو نہ تھے
رامش و رنگ کی نکہت کبھی ایسی تو نہ تھی

نوکِ نشتر کی ہو پیوستِ رگِ جاں ہر دم
وضعِ آدابِ محبت کبھی ایسی تو نہ تھی

کبھی سنکے جو ہوا پھول گلے ملتے تھے
بے ثمر شاخِ رفاقت کبھی ایسی تو نہ تھی

تجھے غیروں پہ بھروسہ کبھی اتنا تو نہ تھا
مجھے اپنوں سے شکایت کبھی ایسی تو نہ تھی

اب تو آنکھیں مری بے خواب ہیں راتیں بیتاب
روز افزوں تری چاہت کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسے جانا مرا مطلوب تھا ظالم کو مگر
جیسے جانے کی اذّیت کبھی ایسی تو نہ تھی

میں بھی تھا گردشِ دوراں سے پریشاں عابدؔ
روز کی ایک مصیبت کبھی ایسی تو نہ تھی

○

آؤ اُن کے لعلِ افسوں ساز کی باتیں کریں
سحر کی باتیں کریں اعجاز کی باتیں کریں

حُسنِ شیریں کار کے سب روپ ہیں عالَم فریب
ناز کی باتیں کریں انداز کی باتیں کریں

پھر محیطِ زندگی ہے فتنۂ سیلِ بلا
پھر انہیں کے شعلۂ آواز کی باتیں کریں

آپ کی چشمِ حیا پرور سخن گو ہو تو ہم،
انجمن میں کیا نیاز و راز کی باتیں کریں

نہ نشیمن سیل خوں ہے لالۂ رنگیں قبا
کیا کسی فصل چمن پرواز کی باتیں کریں

خود پر افشاں ہے قفس ذکر پر پرواز سے
ہم صفیرو! حسرتِ پرواز کی باتیں کریں

کچھ اشارے کچھ کنائے کچھ حقیقت کچھ مجاز
آج عابدؔ ہمدم و دمساز کی باتیں کریں

○

کیوں نہ گلزار میں ہو میری نوا آوارہ
سبزہ بیگانہ ہُوا، بادِ صبا آوارہ

تجھے منظور ہے اے عصمتِ مریم کی مثیل!
ہوں ترے شہر میں اربابِ وفا آوارہ

موجِ خوں ایک مرے سینے میں تھی پردہ نشیں
لب پہ آئی تو ہوئی آہ رسا آوارہ

خس و خاشاک نہ دیں میرے نشیمن کا سُراغ
لاکھ ہو شعلہ فشاں برقِ بلا آوارہ

کیا بتائیں تمہیں اے ہم نفسو! اپنا مقام
یا مقیمانِ درِ یار ہیں یا آوارہ

عابدؔ شعبدہ پرداز کو سب جانتے ہیں
تیرے کوچے کا غزل گوئے گدا آوارہ

○

پاس ناموس وفا ہے اب تک　　کف دل آبلہ پا ہے اب تک

صحن گلشن سے گذر بھی وہ گئے　　پر فشاں بادِ صبا ہے اب تک

اس کے سائے میں اماں ملتی ہے　　کیا گھنی زلف دوتا ہے اب تک

کتنے وحشی ہیں غزالانِ خیال　　لفظ معنی سے جدا ہے اب تک

کتنے دشوار ہیں آدابِ نوا　　صوت نغمے سے خفا ہے اب تک

کیا محبت کے ہیں آداب کہ ناز　　خود بھی پابند جفا ہے اب تک

ناصحو مل تو گئی مجھ کو سزا　　کہ مری عقل بجا ہے اب تک

ہر ملاقات پہ اظہارِ حیا　　یہ ادا ہوش ربا ہے اب تک

اس نے مانی تھی مری بات کبھی　　اسے ہر بات روا ہے اب تک

بجھ گئی شمع شبستانِ خیال　　نورِ غم چہرہ کشا ہے اب تک

سُن تو لے عابدؔ آشفتہ مزاج
تیرے کوچے کا گدا ہے اب تک

شب کی صبر آزمائیاں توبہ
صبح کی نارسائیاں توبہ

رات دن اضطراب کا عالم
پہلے پہلے جدائیاں توبہ

وہ مرا ضبطِ غم وہ دیدۂ نم
منہ پہ اڑتی ہوائیاں توبہ

وہ نصیحت گری وہ چپ میری
ہم دموں کی دُہائیاں توبہ

بات بنتی نہیں تمنا کی
فصل ہوں یا رسائیاں توبہ

راہ کٹتی نہیں محبت کی
وصل ہو یا جدائیاں توبہ

کس طرح تھک کے دل میں بیٹھ گیا
غم کی آزردہ پائیاں توبہ

دل سے جاتا نہیں ہے یہ مہماں
درد کی بے حیائیاں توبہ

ایک کو تو صبح و شام کا رونا
دوسرے جگ ہمسائیاں توبہ

ایک بت کے لیے خدا کی لگن
بے تکی پارسائیاں توبہ

ایک صبح وصال کی خاطر
رات بھر جبہ سائیاں توبہ

تم نے کیسی سُنی مری بپتا
میری آنکھیں بھر آئیاں توبہ

پیرہن ہے بدن سے رنگیں تر
ناز کی خود نمائیاں توبہ

آستینوں میں شمع روشن ہے
کندنی سی کلائیاں توبہ

اس قدر بے نیازیاں اللہ
اس قدر کج ادائیاں توبہ

میٹھی میٹھی سہاونی باتیں
ظاہری خوش نمائیاں توبہ

تیکھی چتون کی بس بھری گھاتیں
معنوی کج ادائیاں توبہ

اے بُتو بس کرو خدا کے لیے
اتنی بے اعتنائیاں توبہ

دل نہ ٹوٹا کسی طرح عابدؔ
غم کی زور آزمائیاں توبہ

○

غم دل کی جو شکایت کی ہے
تم نے چھیڑا ہے تو جرأت کی ہے

دن چڑھے پر نہ اُجالا ہو گا
یہ کہانی شب فرقت کی ہے

دل کے بجھنے سے ہوا یہ روشن
مہ جبینوں سے محبت کی ہے

ناصحا میں نے بہ ایں عقل و خرد
جانتا ہوں کہ حماقت کی ہے

یہ جوانی تری آلودۂ زُہد
تو نے توہینِ مشیّتِ کی ہے

کوئی محراب ہو ابرو ہی سہی
عمر بھر ہم نے عبادت کی ہے

ہم کبھی سیر نہ کرتے دل کی
غمِ دوراں کی بدولت کی ہے

بات ہی میں نے نہیں کی عابدؔ
یا جو کی ہے تو قیامت کی ہے

○

کیا بتائیں بیٹھے بیٹھے بات کیا یاد آ گئی
بس بھرے نینوں کی چنچل امرتا یاد آ گئی

تیکھی تیکھی چِتونوں کا بانکپن یاد آ گیا
وہ رسیلی چھب، وہ البیلی ادا یاد آ گئی

من کی بستی پریت کی بوندوں سے جل تھل ہو گئی
وہ سہانی رت وہ متوالی گھٹا یاد آ گئی

صندلی ماتھے کی بندی۔ ناخنوں کا سُرخ رنگ
سر سے لے کر پاؤں تک وہ سندرتا یاد آ گئی

لہریا آنچل جو لہراتا ہوا یاد آ گیا
اوٹ سے وہ مسکرانے کی ادا یاد آ گئی

جب سہارا دینے والے گر گئے بے آسرا
پر بہت اس کی بن کے جی کا آسرا یاد آ گئی

دور اک بے آسرا سا دیپ جلتا دیکھ کر
ہم کو اپنی کامناؤں کی چِتا یاد آ گئی

کیا بتاؤں کس طرح آئی وہ عابدؔ آج یاد
اپنا جی بھولا ہوا یاد آ گیا ' یاد آ گئی

○

ہائے اس جانِ تمنا سے ملاقات کا دن
سحر و افسانہ و افسون و طلسمات کا دن

سرِ محبوب مرے دوش پہ با دیدۂ نم
بھولتا ہی نہیں بھیگی ہوئی برسات کا دن

چشمِ جادو کی جنوں خیز اشارات کی شام
لبِ لعلیں کی فسوں ریز حکایات کا دن

وہ لگاوٹ کے سلام اور محبت کے پیام
وہ کرامات کا وقت اور عنایات کا دن

وہ تبسم کی نزاکت وہ تکلّم کا فسوں
وہ اشارات کا عالم وہ کنایات کا دن

ہوسِ لمس سے مخمور وہ آنکھیں سرمست
ساتگیں رُ قدح و ساغر و کاسات کا دن

حسن کی جلوہ گری عشق کی آشفتہ سری
عشق اور حسن کے احوال و مقامات کا دن

وہ تماشائے طلسمات نقاب ہفتم
وہ سلومی کی طرح رفع حجابات کا دن

وہ طلوعِ سحر وصل کے اسرار و رموز
وہ نوید شب امید کی غایات کا دن

وہ مری گود میں پگھلی ہوئی چاندی لرزاں
وہ تب و تاب تمنا کی رعایات کا دن

وہ شب زلف سیہ تاب وہ صبحِ رخسار
وہ مرے ذوقِ تماشا کی مدارات کا دن

اس کی تابانیٔ تن جیسے ہو کندن روشن
یاد ہے، شعلۂ دیدار کی اس رات کا دن

من کے وہ ناز خود آرا کے تلطّف کا سماں
نازکے حسن تغافل کی شکایات کا دن

ان کی نظروں سے عیاں مہر و محبت کے نشاں
وہ صنم خانۂ تقدیر کی آیات کا دن

وہ بیاضِ رُخِ محبوب پہ تحریرِ وفا
ورقِ سادہ پہ وہ ثبت عبارات کا دن

وہ کرشمہ مری گستاخ نگاہی کا تھا
جسے خود کہتے تھے وہ فتحِ مہمات کا دن

کوئی سمجھائے مجھے حُسن کی چالیں عابد
جیت کی رات ہوئی میرے لئے مات کا دن

ملتا نہ اگر لعل سخن گو کا سہارا
اس رنگ کے اشعار طرحدار نہ ہوتے

کرتی نہ اگر چشم فسوں ساز اشارا
اس طرح سے گویا لب گفتار نہ ہوتے

کچھ فقط گل ہی نہیں کشتۂ شمشیر بہار
جوئے خوں باغ میں ہر خار تک آ پہنچی ہے

کبھی نظروں میں جو تھی موج تبسم پنہاں
رفتہ رفتہ وہ لب یار تک آ پہنچی ہے

○

توجہ تیری تمہید ستم یوں بھی ہے یوں بھی ہے
جفا ہو یا وفا ہو دل کو غم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

گیا کیوں ان کی محفل میں اٹھا کیوں ان کی محفل سے
شکایت ان کو مجھ سے پیش دکم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

شکایت کر کے دیکھی چپ بھی سادھی اور کیا کیجے
تمہیں تو ہم سے ملنے کی قسم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

جییں تو جگ ہنسائی اور مریں تو ان کی رسوائی
ہماری لوح قسمت میں رقم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

سنور جائے تو آفت ہے بکھر جائے تو آفت ہے

بلائے جاں وہ زلف خم بہ خم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

کبھی خوش رنگ گل دستہ کبھی اک نقش سر بستہ

بہر صورت وہی نقش قدم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

اگر جائے تو شرمائے، نہ جائے تو خطا کھائے

کہ عابد راندۂ دیر و حرم یوں بھی ہے یوں بھی ہے

○

مدت کے بعد آئے ہیں اے راہ بر جہاں
میرا خیال تھا کہ چلے تھے یہیں سے ہم

دیکھیں گے ایک روز بتوں کی خدائیاں
مانگیں گے ایک روز تمہیں کو تمہیں سے ہم

رندوں کے پاس دولت ایماں و دیں کہاں
شرمندہ ہیں اس آفت ایمان و دیں سے ہم

○

ساقی صبح کا تارا نکلا بزم طرب ہے درہم برہم
چاند کی ضو ہے پھیکی پھیکی شمع کی لو ہے مدہم مدہم

راہ نما اے راہ نما ہم رہ گیروں پر کیا بیتے گی
پائے طلب ہے زخمی زخمی دستِ وفا ہے جوکھم جوکھم

حسن کی گھاتیں ٹیڑھی ٹیڑھی عشق کی باتیں سیدھی سیدھی
عشق ہے ناداں دنیا دنیا حسن ہے شاداں عالم عالم

ہم نے بھی لے خواب زلیخا خواب کا سا اک منظر دیکھا
پھول سا ماتھا روشن روشن چاند سا چہرہ شبنم شبنم

خوب مری تقدیر نے بدلے عابدؔ صبح و شام کے نقشے
صبحِ طرب ہے گاہے گاہے شام مصیبت پیہم پیہم

غزلیات

نوا فزوں ست ز اندازۂ بریشم عود
غزل بہ زمزمہ خوانم کہ پردہا پستند

(نظیری)

○

یا نوائے آتشیں جا بد غزل خوانوں کے ساتھ
یا طواف شعلہ زار شمع پروانوں کے ساتھ

شام ہجراں چاندنی کی جھانجریں پہنے ہوئے
رات کی نیلم پری جاگی ہے دیوانوں کے ساتھ

شاید ان میں کوئی صورت آشنا اپنا بھی ہو
روز تھوڑی دور ہم چلتے ہیں بیگانوں کے ساتھ

کوئی سمجھاؤ بھی دیوانوں کو رمز سوز و ساز
کوئی جاؤ بھی حضور شمع پروانوں کے ساتھ

رات کا خواب پریشاں مجھ کو اب تک یاد ہے
جل رہا تھا طاق کسریٰ بھی شبستانوں کے ساتھ

موج ہائے نور کے دریا میں تھا سیلابِ رنگ
رات کو گردش میں تھے فانوس پیمانوں کے ساتھ

کوئی جانے تیری بزمِ ناز کے راز و نیاز
رات بھر جلتی رہی قندیل پروانوں کے ساتھ

اپنے اپنے آبگینے سب کو ہوتے ہیں عزیز
ہم نشینو کون چلتا ہے گراں جانوں کے ساتھ

آئی جب دشتِ وفا سے نکہتِ نخلِ جنوں
بے تکلف ہو لئے سب لوگ دیوانوں کے ساتھ

بار تھا ذوقِ نظر عرضِ ہنر تھا دردِ سر
کٹ گئی کٹنی کو عابدؔ عمر انسانوں کے ساتھ

○

یوں ہے رُخِ ملیح پہ افسردگی کی لہر
سبزہ پہ جیسے سایۂ شاخِ سمن پڑے

یہ گلشنِ وفا ہے کہ بے منّتِ صبا
لہرا رہے ہیں پھول چمن در چمن پڑے

خوشبو سے حسن کی آج بھی روشن ہے آرزو
ایسے بھی راہ درد ہیں کچھ پھول بن پڑے

صحنِ چمن میں آہ بھی کرتی نہیں نسیم
یہ خوف ہے کہ عارضِ گل پر شکن پڑے

تقدیر کے یہ پیچ ہیں زلفوں کے خم نہیں
بگڑی ہوئی ہمیں نہ بنا دیں جو بن پڑے

ویرانۂ خیال میں آئی کسی کی یاد
صحرا پہ جیسے چاند کی پہلی کرن پڑے

آویزش غبار و نسیم بہار میں
کانٹے کی تول آج گلستاں میں رن پڑے

ترکِ وفا کا درس مجھے دو حضورِ یار
اے ہم دُموا جو حوصلۂ دم زدن پڑے

○

شامِ رنگیں حریفِ جلوۂ رنگ
صبحِ زرّیں مثیل حسنِ فرنگ

نغمۂ رنگ و نکہت آہنگ
کوئی دیکھو خیال کے نیرنگ

تارِ ابریشمی نہ تابشِ زر
دنگ ہیں عقل و دانش و فرہنگ

ق

نور سے زندگی کے روشن ہے
پیرہن زندگی کا رنگا رنگ

کوئی دیکھو فروغِ حُسنِ خیال
کوئی دیکھو بہار کے نیرنگ

ق

خود بخود دل میں نغمہ پیرا ہیں
دف و مردنگ و نائے بربط و چنگ

حرف ، پیرایۂ بیاں کا نقص
لفظ آئینۂ خیال کا زنگ

ق

ہمدمو! پھر کہاں سے آتا ہے
یہ معانی کا جلوۂ صد رنگ

عشق ہے نقش کارِ چہرۂ یار
سحر و افسوں و عشوہ و نیرنگ

ق

حسن شیریں ہے ثبت صحرا پر
کوہ کن ہے نہ جوئے شیر نہ سنگ

نازنینوں کو کون سمجھائے
رمز ناز و نیاز کے نیرنگ

عشق میں اک مقام ایسا ہے
کہ بہ وصف ہزار رامش و رنگ

سجدہ کرنا تو خیر ایک طرف
سر جھکانا جہاں ہے باعث ننگ

دیکھنا یہ غزل ہے عابد کی
کہیں چھپتا بھی ہے مزاج کا رنگ

حجرۂ سنگ میں صنم، حجلۂ رنگ میں صنم
ذوقِ نظر کی خیر ہو اب نہ رہے کہیں کے ہم

بلبل و گل پہ دیکھئے سحرِ بہار کا اثر
نغمہ ہے رنگ سر بسر، رنگ ہے نور بیش و کم

سبزے کے فرشِ سبز پر لیٹ گئی ہے چاندنی
شاخِ شجر سے ماہتاب دیکھ رہا ہے دم بدم

دیدہ ورو سخنورو بات بھی تو کوئی کرو
بھول گئے کہ یاد ہیں راہِ وفا کے پیچ و خم

ایک مرے نصیب کا بادۂ عشق ہی تو تھا
گردشِ روزگار نے گھول دیا اسی میں سم

شامل کارِ شام غم گیسوئے یار ہی تو تھا
صبح ہوئی تو کھل گیا گیسوئے یار کا بھرم

آنکھیں پھیر دی گئیں دیدہ ورو سلائیاں
دستِ گدا میں ایک دن دیکھ لیا تھا جامِ جم

دائرۂ حیات ہے رسم و رہِ صنم گری
نقطۂ اولیں صنم ، منزلِ آخریں صنم

عابدِؔ سحر کار نے لاکھ جتن کیے مگر
دشتِ غزال کے خیال کر ہی گئے غزل سے رم

کبھی تھا وقف تری محفل طرب کے لئے
چراغِ دل کہ سلگتا ہے آج سب کے لئے

افق پہ چاند کی چمپا کلی چمکتی ہے
سجائے جاتے ہیں زیور نگار شب کے لئے

ترے گدا نے بھی ساغر کا نقرئی آنچل
کہیں سے مانگ لیا دخترِ عنب کے لئے

چمن سے پھول کے دھوکے میں چن لئے شعلے
کف وفا کے لئے دامن طرب کے لئے

کبھی میں جرأت اظہار مدعا تو کروں
کوئی جواز تو ہو لطف بے سبب کے لئے

مجھے خبر ہے کہ کافی ہے ایک ذوقِ نظر
دکانِ کاکل و رخسار و چشم و لب کے لئے

تمام عمر بہ فیضِ نگاہِ لالہ رخاں
سند رہا ہوں اشاراتِ چشم و لب کے لئے

ستارہ صبح کا روشن تھا شام سے عابدؔ
یہی تھی موت حریفانِ بزمِ شب کے لئے

پیچ و خم شعر میں ہم رکھتے ہیں
تیری زلفوں کا بھرم رکھتے ہیں

دار ہو یا رسن و دار کہ ہم
آستینوں میں بہم رکھتے ہیں

آپ کی بزمِ تماشا کے فقیر
یا سرِ مسندِ جم رکھتے ہیں

کیا کریں عرضِ ہُنر دیدہ ورو!
ہم کہ اک دیدۂ نم رکھتے ہیں

ہمیں محرم ہیں حرم کے عابد
ہمیں پہلو میں صنم رکھتے ہیں

○

کبھی جو اشہبِ لیل و نہار ٹھہرے گا
تو زیرِ سایۂ دیوارِ یار ٹھہرے گا

کسی کا دامن زرتار ہو کہ تاجِ شہی
کہیں تو میری لحد کا غبار ٹھہرے گا

کسے خبر تھی غمِ یار جس کو سمجھے تھے
اسی کا روپ غمِ روزگار ٹھہرے گا

یہ فیصلہ ہے کہ باوصفِ ناصحانِ کرام
ٹھہر سکا نہ دلِ بے قرار ٹھہرے گا

قریب ہے کہ نظر آ رہا ہے دیدہ ورو!
وہ کارواں جو سرِ کوئے یار ٹھہرے گا

مزاجِ گردشِ دوراں ابھی تو بدلے گا
ابھی تو خار شریکِ بہار ٹھہرے گا

لہو رواں ہے گلستاں کی شاہراہوں پر
وہی لہو کہ نویدِ بہار ٹھہرے گا

فریبِ دل کا نہ کھانا کہ وقت پر عابدؔ
بتا دیا ہے کہ بے اعتبار ٹھہرے گا

○

یہ پھول اے بہار! سرِدار کون ہیں
خاکِ چمن کے محرمِ اسرار کون ہیں

یکسر زبان شوق پہ کانٹے پڑے ہوئے
یہ تشنگان جلوہ گہ یار کون ہیں

آنکھوں میں نوک جلوہ کے بھالے گڑے ہوئے
یہ کشتگانِ حسرت دیدار کون ہیں

پاؤں میں آبلوں کے جواہر جڑے ہوئے
یہ رہروانِ عرصۂ پُر خار کون ہیں

یہ کون ہیں جو خون میں اپنے نہا گئے
رنگینیٔ سخن کے طلب گار کون ہیں

اے حارسِ حریم چمن کچھ خبر بھی ہے
مار سیاہ سینۂ گل زار کون ہیں

○

اے پاسبانِ صحنِ وفا کچھ پتا بھی ہے
سارق نقب زناں پسِ دیوار کون ہے

پانی میں آگ ، آگ میں بجلی خدا کی شان
یہ ارض سامری کے فسوں کار کون ہیں

ہاتھوں میں بجلیوں کے سنہری رتھوں کی باگ
یہ ساحران ابر گہر بار کون ہیں

عابد نصیب خفتہ جنہیں دے دیا گیا
وہ طالبانِ دولتِ بیدار کون ہیں

○

وصفِ خوباں نہ حدیثِ دگراں باقی ہے
بس تماشائے جہانِ گزراں باقی ہے

اب کوئی مرحلہ باقی ہے، نہ منزل نہ مقام
شکوۂ بے دلیٔ ہم سفراں باقی ہے

"عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب"
داغِ ہم پیشگیٔ کم ہنراں باقی ہے

وہ بھی آزردۂ آدابِ تماشا ہو گی
ایک لے دے کے جو چشمِ نگراں باقی ہے

دیکھ لو عابدِ آشفتہ کو اے دیدہ ورو!
وہی من جملۂ صاحب نظراں باقی ہے

○

ہم زباں چپ ہو گئے ہم داستاں چپ ہو گئے
کیسے کیسے محفل آرا ناگہاں چپ ہو گئے

آرزو کے دشت و صحرا پر خموشی چھا گئی
دل کے نغمے کارواں در کارواں چُپ ہو گئے

ہم بھی کچھ کہنے کو تھے اے عندلیبانِ بہار
باغ بس چلتی جو دیکھیں آندھیاں، چپ ہو گئے

دوستوں کی طبعِ نازک پر گراں ہے عرضِ غم
ہم کو ہے پاسِ مزاجِ دوستاں، چپ ہو گئے

قاصدانِ چارہ کار و محرمانِ غم گسار
سب نصیحت گر بہ ترتیبِ زماں چپ ہو گئے

دے رہے تھے دیر سے ترکِ وفا کے مشورے
دوست کیوں آخر نصیبِ دشمناں چپ ہو گئے

داستانِ دردِ دل بنتی چلی تھی دردِ سر
خود ہمیں ہونے لگے تھے سرگراں، چپ ہو گئے

جو بھی منجملۂ آشفتہ سراں ہوتا ہے
زینتِ محفلِ صاحب نظراں ہوتا ہے

یہی دل جس کو شکایت ہے گراں جانی کی
یہی دل کارگہ شیشہ گراں ہوتا ہے

شاخ گلزار کے سائے ہیں کہاں دم لیجے
کہ یہاں خون کا سیلِ گزراں ہوتا ہے

کس کو دکھلایئے اپنوں کی ملامت کا سماں
کہ بہ اُسلوب حدیثِ دیگراں ہوتا ہے

ق

کس کو بتلایئے وہ رابطۂ نازونیاز
ان کی محفل میں جو اِک دیدہ وراں ہوتا ہے

کبھی کرتی ہے تجلّی نگرانی دل کی
کبھی دل سوئے تجلّی نگراں ہوتا ہے

مجھ پہ ہوتے ہیں غمِ دل کے صحیفے نازل
جن میں افسانۂ عالی گہراں ہوتا ہے

دل بھی دیتا ہے مجھے مشورۂ ترکِ وفا
کچھ تقاضائے جہانِ گزراں ہوتا ہے

میں تو ہوں شیفتۂ رنگ تغزل عابدؔ
کہ یہی شاہد خونیں جگراں ہوتا ہے

○

دل کا معاملہ نگہِ آشنا کے ساتھ
ایسے ہے جیسے رابطۂ گل صبا کے ساتھ

دیکھو تو پیچ و تاب کی صورت کہ مل گئی
شامِ فراق بھی تری زلفِ دوتا کے ساتھ

یہ کیا بہار ہے کہ دکھائی گئی مجھے
شعلوں کی آنچ بھی گلِ رنگیں قبا کے ساتھ

یہ کیا طلسم ہے کہ سنایا گیا مجھے
سازِ شکستِ دل تری آوازِ پا کے ساتھ

اے دوستو! یہی ہے قیامت کہ روزِ حشر
ہم بھی جگائے جائیں گے خلق خدا کے ساتھ

گلشن میں آئی پیرہن رنگ بن گئی
وہ موجِ خوں کہ چہرہ کشا تھی حنا کے ساتھ

عابدؔ بیان جلوۂ ناگاہ کیا کروں
خوبی ادا کے ساتھ ہے شوخی حیا کے ساتھ

جاں جاتی نہیں دم نکلتا نہیں، یعنی تلخاب غم کام کرتا نہیں
یہ گراں جانیاں میرے بس کی نہیں، اور یاروں کو شکوہ کہ مرتا نہیں

نہ بہ تہ دل کے پردوں پہ ہے نقش گر، تیرے گیسو کی شب، تیرے رخ کی سحر
دردِ فرقت کے آداب روشن ہوئے، داغ جاتا نہیں، زخم بھرتا نہیں

سب رفیقانِ رہ کارواں کارواں، گلشنِ خوش دلی کی ہوس میں رواں
یہ گزرگاہِ دشتِ وفا ہے یہاں کوئی بھولے سے بھی پاؤں دھرتا نہیں

دیکھنا سہم دمُو خیلِ اہلِ جنوں، اُن کے ہونٹوں پہ آہیں، نہ آنکھوں میں خوں
یہ نیا قافلہ دردمندوں کا ہے، درد کے راستوں سے گزرتا نہیں

ساغرِ زہر بخشے گئے پے بہ پے، سینہ شق ہو گیا میرا مانندِ نے
برسرِ قہر ہیں مجھ سے جمشید و کے، بر سبیلِ شکایت کہ ڈرتا نہیں

جوئے خوں کار فرما ہے اے دیدہ ور، رنگ کی موج سو روپ دھارے مگر
روئے خوب نگاراں سنورتا نہیں، رنگ فصل بہاراں نکھرتا نہیں

اس جگہ زندگی کو کھلی مات ہے، یہ فسون خرد کا طلسمات ہے
سانس لیتے ہیں پتلے یہاں کاٹھ کے، کوئی جیتا نہیں کوئی مرتا نہیں

شہر غم سے بلاوا جنہیں آگیا، پڑگئیں ان کے پاؤں میں کیا بیڑیاں
شاد و آباد ہے ساحل آرزو، کیا تماشا ہے کوئی اترتا نہیں

روزن نور سے ایک طالع ہے دل جس سے عابدؔ ہے بزم تماشا خجل
یوں ابد تا ابد بحر ظلمات ہے، کوئی سورج یہاں سے ابھرتا نہیں

○

پھر نمود شب ہجراں ہے خدا خیر کرے
گیسوے یار پریشاں ہے خدا خیر کرے

کیا بنے گا ترے جلوؤں کی فراوانی کا
اک مرا دیدۂ حیراں ہے خدا خیر کرے

غم کونین کہاں جائے گا اے دیدہ ورو!
اک مرا گوشۂ داماں ہے خدا خیر کرے

اب صدا ساز کی خاموش ہے اے نغمہ گرو!
اب کوئی درد، نہ درماں ہے خدا خیر کرے

لے ہیں آتی تھی جو ہونٹوں پہ وہی آہ رسا
آج سینے میں پرافشاں ہے، خدا خیر کرے

دل کو پیاری تھی خلش جس کی وہ پیکان وفا
آج پیوست رگ جاں ہے خدا خیر کرے

دامن چاک نئی بات نہیں تھی لیکن
ہم نوا سر بہ گریباں ہے، خدا خیر کرے

پیہم آتی ہے صدا دل سے کہ تم جھوٹے ہو
اور تم پر مرا ایماں ہے خدا خیر کرے

قفس رنگ میں ہوں آج پر افشاں عابدؔ
چمنستاں مجھے زنداں ہے خدا خیر کرے

○

راز دار فن تنہا، سرخوش سخن تنہا
ان بھری سبھاؤں میں ہم رہے ہیں تن تنہا

جل مرے تھے پروانے، بجھ گئے تھے افسانے
کس خوشی میں روشن ہے شمع انجمن تنہا

بندھنوں کی بیرن ہے زندگی یہ مدھ ماتی
دل سے کیوں نہیں جاتی چاہ کی لگن تنہا

وہ جو ہم نے چھب دیکھی دوستوں نے کب دیکھی
ہم کو جیت سکتی تھی روپ کی پھبن تنہا

دھوپ کی تپش بھولی، خار کی خلش بھولی
یاد رہ گیا ہم کو سایۂ چمن تنہا

کو بکو اندھیرا ہے، چار سُو اندھیرا ہے
ہو گئی یونہی رسوا، زلف پُرشکن تنہا

گلستاں کا افسانہ موجِ سبزہ بیگانہ
بادِ صبح آوارہ برگِ یاسمن تنہا

اے نسیم آوارہ تیری راہ تکتی ہے
نارسیدہ کلیوں میں پھول کی دلہن تنہا

آرزو کے بت خانے ہو گئے ہیں ویرانے
کیا اداس پھرتا ہے دل کا برہمن تنہا

اس کے ساتھ ہی عابدؔ زندگی بھی جاتی ہے
ناصحو نہیں جاتی چاہ کی لگن تنہا

اپنی اپنی تنہائی، جیسے جس کی بن آئی
قصرِ سنگ میں شیریں بن میں کوہ کن تنہا

سر جھکائے بیٹھی ہے، منہ چھپائے بیٹھی ہے
رنگ کی ردا پہنے، بوئے پیرہن تنہا

○

حسرت کشیدہ ہم، غمِ حرماں چشیدہ ہم
اس دُودمانِ درد کے ہیں نورِ دیدہ ہم

گلزارِ دلبری کے گلِ نو رسیدہ تم
خارِ ہوس بہ پائے تمنا خلیدہ ہم

باغِ نشاط کے ثمرِ نو دمیدہ تم
بازارِ آرزو کے گریباں دریدہ ہم

شعلے نوا کے ہودجِ مہتاب تک گئے
یوں عمر بھر قفس میں رہے آرمیدہ ہم

آئے جو گیسوؤں کی مہک، ہوں غزل سرا
لہرائیں اپنی لہر میں افعی گزیدہ ہم

ہشیار دوستو ہمیں نیند آگئی کہ ہیں
افسانۂ خیال بہ پایاں رسیدہ ہم

تیغ و تبر ہمیں پہ چلائے گئے کہ تھے
جانِ بہار صورتِ سروِ کشیدہ ہم

سیلاب خاک و خوں میں بہائے گئے کہ تھے
رمزِ نشاط مثلِ گلِ نو دمیدہ ہم

مدت سے ہیں دوراہے پہ امید و یاس کے
حیراں مثالِ آہوئے صیاد دیدہ ہم

پتھرا چکے تھے دیر سے آنکھوں کے آئینے
کیا تم نے کہہ دیا کہ ہوئے آب دیدہ ہم

سازِ خیال چھیڑ کے سُن لیجئے ہمیں
محفل میں ہیں ہمہ تن صوتِ شنیدہ ہم

○

گلوں کی خوں شدگی کو شگفتگی نہ سمجھ
ہجوم رنگ سے اندازہ بہار نہ کر

کچھ احترام بھی کر غم کی وضع داری کا
گراں ہے عرضِ تمنا تو بار بار نہ کر

وہ اور پرسشِ اہلِ وفا فریب نہ کھا
دل اور ترکِ غمِ یار اعتبار نہ کر

خزاں کے سینکڑوں منظر ہیں اے فریبِ خیال
طلوعِ صبحِ بہاراں کا اعتبار نہ کر

○

لالۂ رنگیں سے روشن ہے شبستانِ بہار
لالۂ رنگین کہ ہے شمعِ فروزانِ بہار

لالہ و گُل کی قبائے گوہریں ہے چاک چاک
دستِ گستاخ صبا ہے اور دامانِ بہار

کیسی کیسی بجلیاں چمکیں بہ عذر برشگال
کیسی کیسی آندھیاں آئیں بہ عنوانِ بہار

ہم صفیرو کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے
ہم نوا پرواز ہوتے ہیں بہ فرمانِ بہار

"گورا گورا ان کا مکھڑا چاندنی کا جیسے پھُول"
نور ہے پیرایۂ طاقِ شبستانِ بہار

صورتِ قندیل روشن سبز ڈالی پر گلاب
رنگ ہے پیرایۂ جشن چراغاں بہار

اُجلی اُجلی روشنی سبزے کے فرش سبز پر
گلکدوں سے کھیلتا ہے ماہ تابانِ بہار

نازنینو! کوئی جلوہ زینت آہنگ و رنگ
ہم نشینو! کوئی نغمہ شان شایان بہار

نیلوفر نیلم ہے عابدؔ موتیا الماس ہے
کیا مرصّع ہے جواہر سے گریبان بہار

○

رات کو اضطراب تھا کیا تھا
دیر تک پیچ و تاب تھا کیا تھا

شام تا شام صبح تھی کیا تھی
صبح تا صبح خواب تھا کیا تھا

کتنے روشن تھے گوشہ ہائے خیال
ہر طرف آفتاب تھا کیا تھا

دُھوپ میں نور، نور میں خوشبو
مہر تھا ماہتاب تھا کیا تھا

صورت نکہت عروسِ خیال
شام سے بے حجاب تھا کیا تھا

جلوہ گر تھا سخن بہ غیر کلام
کوئی محوِ خطاب تھا کیا تھا

○

ہر منکر نشاط ہے فطرت سے بے خبر
اندھا جو ہو گیا ہو اُسے کیا دکھائی دے

ہیں جنتِ نظر چمنستاں کے برگ و بار
اور اس کو ضد یہ ہے چمن آرا دکھائی دے

پیکر گر جمال ہے آئینۂ خیال
جب چاہوں ان کی بزم تماشا دکھائی دے

وہ دن گئے کہ بینشِ اہل نظر یہ تھی
قطرے میں بحر، ذرّے میں صحرا دکھائی دے

اب یہ بصیرت بشری کا عروج ہے
محوِ طوافِ مہر ستارا دکھائی دے

○

آج کل وقت کے ہیں یہ اطوار
جس طرح زہر میں بجھی تلوار

موجِ خونِ وفا ہے موجہ رنگ
سیل دشت بلا ہے سیل بہار

رات رنگینِ ہے نہ دن روشن
ننگِ شمس و قمر ہیں لیل و نہار

○

کبھی زہراب غم اپنوں سے ملتا ہو تو لیتے ہیں
مگر اغیار کے ہاتھوں سے جام جم نہیں لیتے

ذراسی بات پر اے ہم نشینو تم سے کیا الجھیں
تمہیں لے لو متاع شادمانی ہم نہیں لیتے

پلا دے ساتگینِ مے کہ جشن عید ہے ساقی
تری آنکھوں کے متوالے تو یوں بھی دم نہیں لیتے

○

ریت کی طرح کناروں پہ ہیں ڈرنے والے
صورت موج گئے پار اترنے والے

کوئی جینے کا سلیقہ ہو تو میں بھی جانوں
موت آسان ہے مر جاتے ہیں مرنے والے

آج کانٹوں سے گریبان چھڑائیں تو سہی
سبزہ و گل پہ کبھی پاؤں نہ دھرنے والے

روپ سے چھب سے پھبن سے کوئی آگاہ نہیں
نقش کار لب و عارض ہیں سنورنے والے

نکہت باد بہاراں سے پتا ملتا ہے
کہ سر شام ہیں کچھ پھول بکھرنے والے

غم دوراں کے مراحل پہ رُکے آخر کار
غم جاناں کی منازل سے گزرنے والے

میرے جینے کا یہ اسلوب خبر دیتا ہے
کہ ابھی عشق میں کچھ کام ہیں کرنے والے

ہم نواؤ مجھے سنواؤ کبھی خندۂ گل
میں بھی جانوں کہ نہیں زخم یہ بھرنے والے

از کراں تا بہ کراں نور کا سیلاب رواں
کہ اُفق سے نئے سورج ہیں ابھرنے والے

○

شبِ نشاط، بہ عُذرِ قدومِ یار برس
کبھی تو ڈھنگ سے اے ابرِ نوبہار، برس

ہوا کے راگ پہ ہے تیرا شور، تال کی ڈور
جو بار بار ضرورت ہو، بار بار برس

اس آرزو میں کہ اک رات وہ بھی ہوں، تو بھی
ابد کی گود میں کاٹے ہیں تین چار برس

شہوں کے قصر تو شاداب ہیں بہر موسم
کبھی بہ پاسِ گدایانِ رہگزار برس

تجھے قسم مری مژگانِ غم کی، ابر کرم
بیادِ محفلِ یاران و بزمِ یار برس

وہ کفش ہائے زر افشاں، وہ آنچلوں کے نشاں
برائے زینتِ خوبانِ طرح دار برس

"وداع و وصل جداگانہ لذّتے دارد"
ہزار بار گزر۔ صد ہزار بار برس

کلائیوں کی وہ شمعیں، وہ پھول سے چہرے
برائے ماہ جبینانِ گلعذار برس

برس کہ گردِ کدورت دلوں سے دُھل جائے
بہ جمع خاطرِ احباب غمگسار برس

دکھا نہ زور دلوں کے گلاب نازک ہیں
مثالِ شبنم اب اے ابرِ لالہ کار برس

زمانہ کہتا ہے، اب خار و خس کا حق پہچان
بردئے دشت و بیابان و کوھسار، برس

کسی کے سقف و در و بام کو حقیر نہ جان
بہ کاخ کہنہ و املاک زر نگار برس

غزل عزیزؔ کی، مصرع عزیزؔ کا عابدؔ
"برس برس کے دن اے ابر نو بہار برس"

○

رنگ سے رمزِ نور تک پہنچے
دیدہ ور تھے کہ دور تک پہنچے

چلو اچھا یونہی سہی سچ ہیں
جو فسانے حضور تک پہنچے

ساقیا! عمر بھر کہاں تو نے
اب مقامِ سرور تک پہنچے

غمِ دوراں کی راہ سے ہم لوگ
غمِ دل کے شعور تک پہنچے

یہی حسرت رہی کوئی ہمدم
رمزِ طبعِ غیور تک پہنچے

بڑی مشکل سے آج ہم نفسو؟
ہم دل ناصبور تک پہنچے

وہ بھی آج آئے مجھ کو سمجھانے
چارہ گر آج دور تک پہنچے

جو پرافشاں رہے جبینوں میں
وہی سجدے حضور تک پہنچے

راہ گم کردگانِ جلوۂ یار
منزلِ برقِ طُور تک پہنچے

○

غزالان معنی کا رم دیکھتے ہیں
ہمیں جانتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

کسی نے نگاہوں پہ جادو کیا ہے
وہی ماجرا بیش و کم دیکھتے ہیں

ق

کہیں رنگ سے نغمہ ہوتا ہے جاری
کہیں نور و نکہت بہم دیکھتے ہیں

خیابانِ خرد میں ہیں مسند آرا
وہی مصلحت ہیں جو کم دیکھتے ہیں

ق

انہیں کے جگر میں اترتا ہے تیشہ
رگِ سنگ میں جو صنم دیکھتے ہیں

مہکتی ہے جب محفل حرف شیریں
تمہیں کیا بتائیں جو ہم دیکھتے ہیں

بتوں کی جبینوں پہ قشقہ ہے عابدؔ
کہ روشن چراغِ حرم دیکھتے ہیں

○

میں نے جس دن تجھے اے دشمن دیں دیکھا تھا
ہفت اقلیم کو آمادہ کہیں دیکھا تھا

نکہت و نور کے سانچے میں ڈھلی شام بہار
یہ طلسمات کا نیرنگ نہیں دیکھا تھا

اس کے باوصف کہ روشن تھا چراغِ مہتاب
رات بھر نجم و سحر کو گہریں دیکھا تھا

غم دوراں کا مداوا نہیں ہوتا مجھ سے
غم جاناں کا یہی روپ نہیں دیکھا تھا

میں نے اے نقش گرو تم کو مٹانے کے لئے
آسمانوں کو بھی ہم دست زمیں دیکھا تھا

جو برستا تھا سر شاخ نشیمن بادل
میں نے بجلی کو بھی آسودہ وہیں دیکھا تھا

کیا ہوا دیدہ ورو قافلۂ فصل بہار
خیمہ زن صحن گلستاں میں کہیں دیکھا تھا

رات کو خواب میں شیریں کے شبستاں میں کہیں
نقش فرہاد کو اورنگ نشیں دیکھا تھا

ہاتھ کاٹے گئے میرے کہ بصیرت نے مری
ہر رگ سنگ میں بت خانۂ چیں دیکھا تھا

کیا تماشا ہے کہ شیریں سخنی شرط نہ تھی
جب لب و لعل کو دیکھا شکریں دیکھا تھا

آج پابند زمیں ہے وہی رہوار خیال
جسے یاروں نے سر عرش بریں دیکھا تھا

○

دل نہیں پاس کہ تنہا جانِ غزل
پھر بھی روشن ہے شبستانِ غزل

طے کرو دیدہ ورو دشتِ خیال
نظر آئیں گے غزالانِ غزل

○

غزل کی تار میں آنسو پروئے ہیں میں نے
کسے دکھاؤں کہ گوہر فشانیاں کی ہیں

عروسِ گُل کو ہمیں سے حجاب آتا ہے
ہمیں نے ہم سخنو! پاسبانیاں کی ہیں

○

عابدؔ نغمہ سرا یاد آیا
آج کیا جانیئے کیا یاد آیا

دیکھ لو ہمسفرو! کانٹوں کو
ایک ہیں آبلہ پا یاد آیا

مجھے سمجھا کے سبھی ہار گئے
تمہیں دیکھا تو خدا یاد آیا

○

ہر ایک پھول گلِ نیلوفر ہے کیا کہیئے
چمن گزیدۂ بادِ سحر ہے کیا کہیئے

شکایتِ غمِ دل ناروا ہے کیا کیجے
حکایتِ غمِ دل بے اثر ہے کیا کہیئے

ہمیں بھی یاد تھے انداز خوش کلامی کے
رگِ گلو میں نہاں نیشتر ہے کیا کہیئے

کوئی وسیلۂ عرضِ ہنر نہیں یارو
وہ نقش ہوں کہ نوا بے ثمر ہے کیا کہیئے

گذر نہیں ہے کسی کا حریم معنی میں
کہ لفظ حلقۂ بیرون در ہے کیا کہیئے

بہار جلوہ فشاں ہے کہ مار زہر چکاں
یہ سیل خوں ہے کہ گل برگ تر ہے کیا کہیئے

○

ناز آفریں ہیں میری نگاہیں
سونی پڑی ہیں اب جلوہ گاہیں

دشت جنوں سے ہو کر گئی ہیں
شہر بتاں کی سب شاہراہیں

یا صبح عارض یا شام گیسو
دو رہ گئی ہیں دل کی پناہیں

چاہت ہے جن کی جینے کی ضامن
سب چاہتے ہیں ان کو نہ چاہیں

بربادیوں میں کیا کچھ کسر تھی
کیوں لڑ گئی تھیں ان سے نگاہیں

○

دُرِ نایاب معانی نے کیا مجھ سے گریز

جب اُسے تارِ تخیّل میں پرونا چاہا

آنکھ کو حسرتِ دیدار کی دولت بخشی

عشق نے آگ کو مٹّی میں سمونا چاہا

○

دلِ بیدار کوئی مفت نہیں ملتا ہے

میں نے اس چیز کو بے کار نہ کھونا چاہا

بہرِ تحصیلِ ہنر ہمّتِ عالی کے طفیل

شعر کہتا رہا پر شعر نہ ہونا چاہا

اُس گنہگار کے آگے مرا سر جھکتا ہے

جس نے دامن سے کوئی داغ نہ دھونا چاہا

○

بیتابیٔ عاشقی ہے باقی ساقی
شعلے سے بھڑک رہے ہیں ساقی! ساقی!

پہلو میں نگار ہے نہ ساغر میں شراب
جیتا ہوں تو ہے یہ اتفاقی ساقی

○

حسن کی انتہا نہیں جلوۂ دلربائے ناز
حسن میں ایک چیز ہے اور بھی ماورائے ناز

O

ان میں پنہاں تھی کبھی تمکین وحشت کی بہار
اب بھی بازو نہیں اُٹھتے ہیں ماتم کے لئے

پیچ و تاب عاشقی سے مضطرب ہوں رحم کر
زلفِ پُر خَم کے لئے۔ گیسوئے برہم کیلئے

عرضِ غم پر ان کی آنکھوں میں ہے وحشت کی جھلک
اِک غزالِ مشکبو تیار ہے رم کے لئے

O

خوشبو بھی ہے سُرور بھی میرے شباب میں
پیتا ہوں مے گلاب ملا کر شراب میں

دھوکا ہے مجھ کو شام پہ صبح بہار کا
تم اور میرے پاس شبِ ماہتاب میں

○

کلیم اللہ بھی ہیں، میں بھی ہوں، طورِ محبت پر
کدھر گرتی ہے برقِ لن ترانی دیکھتے جاؤ

تمہیں نے ہم کو روکا ہے محبت میں شکایت سے
پڑے گا تم پہ صبرِ بے زبانی دیکھتے جاؤ

بہت نازاں ہوں اپنے شیوۂ رنگیں ادائی پر
کبھی آؤ مری رنگیں بیانی دیکھتے جاؤ

○

موج حسن جاری ہے ان کے جسم رنگیں سے
نور مے نمایاں ہے ساغر بلوریں سے

بے خودی پہ مرتا ہوں، مے کشی سے ڈرتا ہوں
اخذ کیف کرتا ہوں خوشہ ہائے پرویں سے

رہ گیا نگاہوں پر انحصار گویائی
جل گئی زباں عابد ان کی برق تمکیں سے

اے شعلہ عشق خاک کر ڈال مجھے
آلودۂ غم ہوں پاک کر ڈال مجھے

یہ سچ ہے کہ ہیں دفتر بے معنی ہوں
بے سود سمجھ کے چاک کر ڈال مجھے

○

تلخیٔ عشق دل میں ہے غم مری آب و گل میں ہے
زہر ملا کے دو مجھے بادۂ خوش گوار میں

خاک ہے رات کا سکوں کم نہ ہوا مرا جنوں
چاند بھی جا کے سو رہا دامن کوہسار میں

مطرب دلگداز سُن جوگ میں کوئی چیز چھیڑ
سوز و گداز عشق کا انگ نہ تھا ملہار میں

○

عکس بردار حسن یار کہیں
بزم دل کو بہشت زار کہیں

کیا کسی سے کہیں فسانۂ غم
تم سنو تو ہزار بار کہیں

وہ بھی پہلو میں ہیں بہار بھی ہے
سوچتے ہیں کسے بہار کہیں

دل کو اب اپنی بات پہ اصرار کیوں نہ ہو
گستاخ ہو چکا تو گنہگار کیوں نہ ہو

چھوڑیں گے ہم بھی ضد نہ کشودِ نقاب کی
ہر چند ہم پہ بارشِ انوار کیوں نہ ہو

○

تھی مذنوں نصیب اسے تیری دوستی
دل تیری دشمنی کا سزاوار کیوں نہ ہو

ہم بن کہے فسانۂ اندوہ کیوں کہیں
ان کی طرف سے رخصت اظہار کیوں نہ ہو

عشرت حسن کو ثبات نہیں
ہاں نہیں اور کوئی بات نہیں

یوں تو میٹھی زباں ہے ظالم کی
آنکھ میں رنگ التفات نہیں

میکشی، عاشقی، پرستش ناز
اور کچھ میرے واقعات نہیں

○

ازل سے دردِ سر بخشا گیا ہے

مجھے ذوقِ نظر بخشا گیا ہے

حیات مختصر ہنگامۂ شوق

مجھے رقص شرر بخشا گیا ہے

شب تاریک میں رکھا گیا ہوں

مگر نور سحر بخشا گیا ہے

بدن کی قید میں ڈالا گیا ہوں

مگر دل تیز پر بخشا گیا ہے

تبسّم ہے ترا سرمایۂ ناز
ادا کو نامہ بر بخشا گیا ہے

یہ کیسا فیض ہے اے قاسمِ فیض
اُدھر چھینا اِدھر بخشا گیا ہے

عابدؔ کوئی حجاب نہ تھا شامِ وصل میں
اک پردۂ تبسم پنہاں ضرور تھا

○

وہ پروا کے جھونکے وہ آنچل کا لہرا
وہ کندن سا مکھڑا سنہرا سنہرا

کڑے تیوروں کے جو تیر کے سہے ہیں
کلیجے پہ کھایا ہے یہ گھاؤ گہرا

نہ رکتی ہیں آہیں نہ تھمتے ہیں آنسو
ابھی من کی ندی میں پانی ہے گہرا

برا ہے بہت روگ چاہت کا عابدؔ
کئے ہیں نے کیا کیا جتن جی نہ ٹھہرا

○

(۲)

کبھی سر جھکایا کبھی مسکرائے
یونہی نت نئے تم نے جادو جگائے

گھڑی دو گھڑی تم ہنسی اپنی روکو
تو کوئی دکھی اپنی بپتا سنائے

بھلا میں نے کیوں ان سے آنکھیں لڑائیں
سہیڑا یونہی روگ بیٹھے بٹھائے

بسا کے جو پھولوں میں جوڑا لپیٹا
مہکتے ہوئے ناگ ڈسنے کو آئے

اُلہنا نہیں کوئی پر میرے داتا
تو ڈوبی ترائے نہ بگڑی بنائے

○

دن ڈھلا شام ہوئی پھول کہیں لہرائے
یار کے سانپ مہکتے ہوئے ڈسنے آئے

کیا کہوں دل میں کہاں سینت کے رکھّا ہے اسے
نہ اسے بھولنے پاؤں نہ مجھے یاد آئے

دولت طبع سخن گو ہے امانت اس کی
جب تیری چشم سخن ساز طلب فرمائے

میں نے حافظ کی طرح عہد کیا ہے عابدؔ
"بعد ازیں مے نہ خورم بے کسے بزم آرائے"

○

داستانِ عرضِ غمِ یار تک آ پہنچی ہے
بات یعنی رسن و دار تک آ پہنچی ہے

کچھ فقط گل ہی نہیں کشتۂ شمشیرِ بہار
جوئے خوں باغ میں ہر خار تک آ پہنچی ہے

کبھی نظروں میں جو تھی موجِ نسیمِ پنہاں
رفتہ رفتہ وہ لبِ یار تک آ پہنچی ہے

اپنے آئیں گے نصیحت کے لئے لازم ہے
داستاں درد کی اغیار تک آ پہنچی ہے

فہرست

شب نگار بنداں

پیش لفظ سے پہلے — مرزا ادیب — ۱۱
پیش لفظ — محمود نظامی — ۱۵

۱۔ یک چمنِ گل ۔ غزلیات

۱۔ گورا گورا اُن کا چہرہ پھُول سا مہتاب سا — ۳۵
۲۔ حدِ افق تک پھیلا ہُوا تھا دشتِ غمِ دل — ۳۶
۳۔ غمِ دوراں غمِ جاناں کا نشاں ہے کہ جو تھا — ۳۸
۴۔ مشل شعاع مہر فسوں کار ہے بہار — ۴۲
۵۔ آج وا ہو درِ زنداں تو مزا آ جائے — ۴۵
۶۔ اپنی تجلّیوں سے معمور ہو گئے ہم — ۵۰
۷۔ لبِ نوشیں پہ تبسّم نگہِ ناز کے ساتھ — ۵۲

۸۔ شوق سے خود جو مرے راہ نما ہوتے ہیں ۵۴

۹۔ دشتِ ایمن سے چلے کوئے بتاں تک پہنچے ۵۷

۱۰۔ چین پڑتا ہے دل کو آج نہ کل ۶۱

۱۱۔ کاروانِ گل و ریحاں گذرے ۶۵

۱۲۔ جینے کا شعور جاں گسل تھا ۶۸

۱۳۔ محفل فروز جلوۂ جاناں نہ ہو چکا ۶۹

۱۴۔ بہر صورت یہ روشن ہے کہ پروانوں پر کیا گزری ۷۱

۱۵۔ کیا مقام بلند رکھتا ہوں ۷۳

۱۶۔ نشتر کی نوک دل میں اتارے چلے گئے ۷۵

۱۷۔ یہ کیا طلسم ہے دنیا پہ بار گزری ہے ۷۷

۱۸۔ سازِ ہستی کی صدا عرشِ بریں تک پہنچے ۷۸

۱۹۔ چاند تاروں سے کیا پوچھوں کب دن میرے پھرتے ہیں ۸۱

۲۰۔ رُخِ ماہتاب روشن لب لعل یار خنداں ۸۳

۲۱۔ تمھاری چشمِ سخن ساز کے اشاروں پر ۸۵

۲۲۔ (ا) کوششیں ترک محبت کی ہیں ناکام ابھی ۸۷

(ب) محروم التفات رہی گشت آرزو

(ج) جس نے شبِ حیات کو دی نور کی مہک

۲۳۔ (ا) کسی کے آسرے پر زندگی گزری نہ گزرے گی ۸۹

(ب) عزیزوں پہ کیا ضبط کا راز کھولیں

(ج) یارب چمن کی خیر کہ آندھی ہے تند و تیز

۲۴۔ مہک رہا ہے چمن ہنس رہے ہیں گل بوٹے ۹۱

۲۵ -	کھوئیوں سے کہ ہم طبع سادہ رکھتے ہیں	۹۲
۲۶ -	دل کے مٹنے کا نشاں رہتا ہے	۹۴
۲۷ -	بہت لکھی ہے غزل ماہ پیکروں کے لیے	۹۶
۲۸ -	ساز و آواز پہ کیا گزرے گی	۹۹
۲۹ -	دل ہے آئینۂ حیرت سے دوچار آج کی رات	۱۰۱
۳۰ -	واعظِ شہر خدا ہے مجھے معلوم نہ تھا	۱۰۵
۳۱ -	بس کر اے دردِ مہجوری	۱۰۹
۳۲ -	خُم کو پہچان جام کو پہچان	۱۱۱
۳۳ -	آئی سحر قریب تو مَیں نے پڑھی غزل	۱۱۳
۳۴ -	ہر پھول داغدار ہے اب سوچنا پڑا	۱۱۵
۳۵ -	سب کے جلوے نظر سے گزرے ہیں	۱۱۷
۳۶ -	گلشن میں خوں رواں تھا یا مَیں نے خواب دیکھا	۱۲۰
۳۷ -	کھوئے گئے جمال کی تابانیوں میں ہم	۱۲۲
۳۸ -	چاک دامن مجھے سینا ہوگا	۱۲۵
۳۹ -	صبح تک رقص کناں بنتِ عنب دیکھیں گے	۱۲۸
۴۰ -	اٹھا مینائے مے ساقی بڑے نازک مقام آئے	۱۳۰
۴۱ -	چپ بھی ہے ناگوار دُنیا کو	۱۳۱
۴۲ -	بہاراں ہے فریب آشکارا ہم نہ کہتے تھے	۱۳۳
۴۳ -	ہوائے تیز پر افشاں ہے دیکھیے کیا ہو	۱۳۵
۴۴ -	دل کو اس کا یقین ہے کیا کیجے	۱۳۸
۴۵ -	وہ کسی پر جفا نہیں کرتے	۱۴۲

۴۶۔ گلزار دیکھے صحرا کھنگالے ۱۴۴
۴۷۔ گل کی خو نہیں، جگر کی یاد آئی ۱۴۷
۴۸۔ کچھ خاک رہگذار تھے کچھ داغدار تھے ۱۵۰
۴۹۔ زہراب ہو عطا کہ مئے لالہ گوں ملے ۱۵۳
۵۰۔ نیند میری اُچٹ گئی کل رات ۱۵۵
۵۱۔ آج صحنِ چمن قفس ہے مجھے ۱۵۷
۵۲۔ نغمہ پیرا ہوں خوشنوا تو سہی ۱۵۹
۵۳۔ مے ہو ساغر میں کہ خوں رات گزر جائے گی ۱۶۲
۵۴۔ دیکھتے ہو مرے اشعار ہیں صاحب نظراں ۱۶۵
۵۵۔ خوں فشاں دستِ صبا دیکھا ہے ۱۶۸
۵۶۔ موج مرمر ہو پرافشاں تو خطا میری ہے ۱۶۹
۵۷۔ نیشہ پیوست جگر ہے ساقی ۱۷۱
۵۸۔ ہم، بنِ غمِ یار بھی جیتے ہیں ۱۷۴

۲۔ یک نیستاں نالہ

نظمیں، مسلسل غزلیں، رُباعیات

۱۔ تقاریب ۱۷۹
۲۔ بہاریہ ۱۸۸
۳۔ کیفیت بہ نسبتِ رنگ ۲۰۲
۴۔ سراپا ۲۰۶
۵۔ شالامار باغ کشمیر ۲۱۶

۶۔ اے دل، اے دل ۲۱۹
۷۔ التجا ۲۲۴
۸۔ ایک شہر ۲۲۵
۹۔ ماضی ۲۲۶
۱۰۔ دو ملاقاتیں اور وقت ۲۲۷
۱۱۔ خودنگری ۲۳۲
۱۲۔ رُباعیات ۲۳۶

۳۔ یک خمخانہ مے

ساقی نامے، اور اسی اسلوب کی دُوسری نظمیں

۱۔ ساقی نامہ ۲۴۱
۲۔ چاندنی راتیں ۲۵۰
۳۔ باز ایں چہ آفت است نہال اُمید را ۲۵۷
۴۔ شامِ نشاط ۲۶۱
۵۔ ساقی نامہ ۲۶۷

بریشمِ عود

پیشِ لفظ

غزلیات

۱۔ اُس نگارِ محفل آرا کا پیام آ ہی گیا ۲۸۹
۲۔ گلزار ترے حُسن کا نقشِ کفِ پا ہے ۲۹۰

۳۔ نُورِ مہتاب کا دیکھا جو غبار ۲۹۱

۴۔ جلتی رہے گی مشعلِ مہتاب رات بھر ۲۹۲

۵۔ اثر کا نام نہ لو دوستو! خدا کے لیے ۲۹۴

۶۔ عجب نہیں جو محبت مری سرشت میں ہے ۲۹۵

۷۔ دن ڈھلا، شام ہوئی، پھول کہیں لہرائے ۲۹۶

۸۔ دیکھنا طوفانِ برق و باد و باراں دیکھنا ۲۹۸

۹۔ جبینِ تمنا کی تابانیاں ہیں ۲۹۹

۱۰۔ بے کراں درد کی دولت کبھی ایسی تو نہ تھی ۳۰۱

۱۱۔ آؤ اُن کے لعلِ افسوں ساز کی باتیں کریں ۳۰۴

۱۲۔ کیوں نہ گلزار میں ہو میری نوا آوارہ ۳۰۶

۱۳۔ پاسِ ناموسِ وفا ہے اب تک ۳۰۷

۱۴۔ شب کی صبر آزمائیاں توبہ ۳۰۸

۱۵۔ غمِ دل کی جو شکایت کی ہے ۳۰۹

۱۶۔ کیا بتائیں بیٹھے بیٹھے بات کیا یاد آگئی ۳۱۱

۱۷۔ ہائے اس جانِ تمنا سے ملاقات کا دن ۳۱۳

۱۸۔ ملتا نہ اگر لعلِ سخن گو کا سہارا ۳۱۶

۱۹۔ توجہ تیری تمہید ستم یوں بھی ہے یوں بھی ہے ۳۱۷

۲۰۔ مدت کے بعد آئے ہیں اے راہ بر جہاں ۳۱۹

۲۱۔ ساقی صبح کا تارا نکلا بزم طرب ہے درہم برہم ۳۲۰

غزلیات

۲۲۔ یا نوائے آتشیں عابد غزل خوانوں کے ساتھ ۳۲۳

۲۳۔ یوں ہے رُخِ ملیح پہ افسردگی کی لہر ۳۲۵
۲۴۔ شامِ رنگیں حریفِ جلوۂ رنگ ۳۲۷
۲۵۔ حجرۂ سنگ میں صنم، حجلۂ رنگ میں صنم ۳۳۰
۲۶۔ کبھی تھا وقف تری محفل طرب کے لیے ۳۳۲
۲۷۔ پیچ و خم شعر میں ہم رکھتے ہیں ۳۳۴
۲۸۔ کبھی جو اشہب لیل و نہار ٹھہرے گا ۳۳۵
۲۹۔ یہ پھول اے بہار! سرِدار کون ہیں ۳۳۷
۳۰۔ اے پاسبانِ صحنِ وفا کچھ پتا بھی ہے ۳۳۸
۳۱۔ وصف خوباں نہ حدیثِ دگراں باقی ہے ۳۳۹
۳۲۔ ہم زباں چپ ہو گئے ہم داستاں چپ ہو گئے ۳۴۰
۳۳۔ جو بھی منجلۂ آشفتہ سراں ہوتا ہے ۳۴۲
۳۴۔ دل کا معاملہ نگہِ آشنا کے ساتھ ۳۴۴
۳۵۔ جان جاتی نہیں دم نکلتا نہیں، یعنی تلخابِ غم کام کرتا نہیں ۳۴۶
۳۶۔ پھر نمود شبِ ہجراں ہے خدا خیر کرے ۳۴۸
۳۷۔ رازدارِ فن تنہا، سرخوشِ سخن تنہا ۳۵۰
۳۸۔ حسرت کشیدہ ہم، غم حرماں چشیدہ ہم ۳۵۲
۳۹۔ گلوں کی غوں شدگی کو شگفتگی نہ سمجھ ۳۵۵
۴۰۔ لالۂ رنگیں سے روشن ہے شبستانِ بہار ۳۵۶
۴۱۔ رات کو اضطراب تھا کیا تھا ۳۵۸
۴۲۔ ہر منکرِ نشاط ہے فطرت سے بے خبر ۳۶۰
۴۳۔ آج کل وقت کے ہیں یہ اطوار ۳۶۱

۴۴۔ ریت کی طرح کناروں پہ ہیں ڈرنے والے ۳۶۲
۴۵۔ شبِ نشاط، یہ عُذرِ قدومِ یار برس ۳۶۴
۴۶۔ رنگ سے رمز تور تک پہنچے ۳۶۷
۴۷۔ غزالانِ معنی کا رم دیکھتے ہیں ۳۶۹
۴۸۔ مَیں نے جس دن تجھے اے دشمنِ دیں دیکھا تھا ۳۷۱
۴۹۔ دل نہیں پاس کہ تھا جانِ غزل ۳۷۳
۵۰۔ عابد نغمہ سرا یاد آیا ۳۷۴
۵۱۔ ہر ایک پھول گُلِ نیلوفر ہے کیا کہیئے ۳۷۵
۵۲۔ ناز آفریں ہیں میری نگاہیں ۳۷۷
۵۳۔ دُرِ نایاب معانی نے کیا مجھ سے گریز ۳۷۸
۵۴۔ بیتابیٔ عاشقی ہے باقی ساقی ۳۷۹
۵۵۔ ان میں پنہاں تھی کبھی تمکینِ وحشت کی بہار ۳۸۰
۵۶۔ کلیم اللہ بھی ہیں، مَیں بھی ہوں، طورِ محبت پر ۳۸۱
۵۷۔ موجِ حسن جاری ہے ان کے جسمِ رنگیں سے ۳۸۲
۵۸۔ تلخیٔ عشق دل میں ہے غم مری آب و گل میں ہے ۳۸۳
۵۹۔ عکس بردارِ حُسنِ یار کہیں ۳۸۴
۶۰۔ تھی مدتوں نصیب اسے تیری دوستی ۳۸۵
۶۱۔ ازل سے دردِ سر بخشا گیا ہے ۳۸۶
۶۲۔ وہ پُروا کے جھونکے وہ آنچل کا لہرا ۳۸۸
۶۳۔ کبھی سر جھکایا کبھی مُسکرائے ۳۸۹
۶۴۔ دن ڈھلا شام ہوئی پھول کہیں لہرائے ۳۹۰
۶۵۔ داستانِ عرضِ غمِ یار تک آ پہنچی ہے ۳۹۱

۶۶ - نفی مدتوں نصیب اسے تیری دوستی ۳۸۵

۶۷ - ازل سے دردِ سر بخشا گیا ہے ۳۸۶

۶۸ - وہ پُرا کے جھونکے وہ آنچل کا لہرا ۳۸۸

۶۹ - کبھی سر جھکایا کبھی مسکرائے ۳۸۹

۷۰ - دن ڈھلا شام ہُوئی پھُول کہیں لہرائے ۳۹۰

۷۱ - داستانِ عرضِ غمِ یار تک آ پہنچی ہے ۳۹۱

۷۲ - فہرست ۳۹۲

ایسی سحر انگیز بھی اور اندازِ بیان نے ایسا دل نشیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ لیکچر کب شروع ہُوا اور کب ختم ہُوا۔

عابد صاحب کے اسلوبِ شعر کے بارے میں ناقدین نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھتے رہیں گے۔ اس مختصر تحریر میں ان کے شعورِ تخلیق کا احاطہ کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب۔ ہاں یہ کہتا چلوں کہ آپ کو ان کے ہاں کلاسیکل اور جدید شاعری کا ایسا حسین امتزاج ملے گا کہ باید و شاید لفظ کا احترام اور اس کے جمال کا شعور عابد صاحب کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ موسیقی سے لگاؤ نے ان کی شاعری کو ایسی غنائیت عطا کی ہے جو آپ کو اُن کے ہم عصر شعرا میں بہت کم ملے گی۔

منظور الٰہی

لاہور ۱۰ اجنوری ۱۹۹۳ء

سیّد عابد علی عابدؔ

(۱۹۰۶ — ۱۹۷۱)

ابتدائی تعلیم ڈیرہ اسماعیل خان، اس کے بعد کی تعلیم ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی لاہور، کچھ عرصہ وکالت کی پھر دیال سنگھ کالج لاہور میں ملازم ہوگئے جہاں آخری سات برس پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں مجلسِ ترقی ادب میں مدیر صحیفہ اور تصنیف و تالیف کے کام پر مامور رہے۔

بنیادی تصانیف: اصولِ انتقادِ ادبیات، شعرِ اقبال، تلمیحاتِ اقبال، البیان البدیع (انتقاد)، شبِ نگار بندان، بریشم عُود (شعری مجموعے)، داستانِ فلسفہ، میراثِ ایران، بشر ہے کیا کہیے، داستان (تراجم)، حجاب زندگی، طلسمات، قسمت (افسانے)، دُکھ سُکھ اور سہاگ، شمع، چاندنی (ناول)، یدِ بیضا، رُوپ متی باز بہادر، اُما (ڈرامے)۔

تعلیم و تدریس کے سلسلے میں خاصا کام کیا۔ مختلف جماعتوں کے نصاب تحریر کیے۔ ایک فارسی گرائمر تالیف کی جو تین زبانوں میں ہے (انگریزی، فارسی، اُردو)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، تاریخ فکر اسلامی (انگریزی) میں مقالات تحریر کیے۔

ISBN 969-35-0181-0